ختم نبوت کی حقیقت

رسولِ پاکؐ کا عدیم المِثال مقام

◆

◆

﴿تصنیف لطیف﴾

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔ اے

◆

◆

شائع کردہ :

نظارت نشر و اشاعت

قادیان

نام کتاب : ختم نبوّت کی حقیقت
مصنف : حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم-اے رضی اللہ تعالیٰ عنہ
طبع سوم : 2006ء
تعداد : 2000
مطبع : فضل عمر پریس قادیان

ISBN 81-7912-089-9

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

دوستو اِک نظر خدا کے لئے
سیّد الخلق مصطفیٰؐ کے لئے

جو غلط فہمیاں اس زمانہ میں جماعتِ احمدیہ کے متعلق پھیلائی گئی ہیں ان میں غالباً سب سے زیادہ شر انگیز غلط فہمی اس بہتان سے تعلق رکھتی ہے کہ نعوذ باللہ جماعتِ احمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی منکر ہے۔ اور اپنے سلسلہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کو ایسا نبی مانتی ہے جس سے حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ اور حدیث اِنِّی اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ کا مفہوم باطل ہو جاتا ہے۔ اور گویا سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دَور ختم کر کے ایک نئے مذہب اور نئے سلسلہ رسالت کی داغ بیل ڈالی جا رہی ہے۔ یہ رسالہ اسی سر تا پا باطل الزام اور سراسر بے بنیاد اتہام کو دُور کرنے کی غرض سے لکھا گیا ہے۔ اور گو اس رسالہ کی تصنیف ایسے وقت میں ہوئی ہے جب کہ پنجاب کے گذشتہ ہنگامی حالات کی وجہ سے توجہ میں کافی انتشار کی کیفیت تھی اور خاطر خواہ یکسوئی میسّر نہیں تھی۔ لیکن مَیں یقین رکھتا ہوں کہ خدا کے فضل سے اِس رسالہ میں اس مسئلہ کے وہ سب ضروری پہلو مختصر طور پر آ گئے ہیں جو اس بارے میں جماعتِ احمدیہ کے عقائد اور ان عقائد کے دلائل اور پھر ان دلائل کی حکمت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ کوئی دلیل خواہ وہ کتنی ہی روشن اور پختہ ہو کسی انسان کے دِل میں راہ نہیں پا سکتی جب تک کہ کوئی شخص اپنے دل و دماغ کی کھڑکیوں کو کھلا رکھ کر حق و صداقت کو بلا خوف لَوْمَۃَ لَائِمٍ قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ پس خاکسار راقم الحروف ہر اُس صداقت پسند انسان سے

جس کے ہاتھ میں یہ رسالہ پہنچے خدائے ذوالجلال اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہے کہ وہ اسے شروع سے لے کر آخر تک خالی الذّہن ہو کر مطالعہ کرنے کی کوشش کرے۔ اور ساتھ ساتھ خدا کے حضور دست بدُ عا بھی رہے کہ اگر اس رسالہ کا مضمون حق و صداقت پر مبنی ہے تو وہ اُسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ دِل کی تسلّی کی کُنجی صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اور اسی کی طرف یہ عاجز رجوع کرتا اور اپنے ناظرین کو رجُوع کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ وَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔

خاکسار: مرزا بشیر احمد
۳۰/اپریل ۱۹۵۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی عَبْدِهِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

ختمِ نبوّت کی حقیقت

رسولِ پاک ؐ کا عدیم المثال مقام

سب حمد و ثناء اُس خدائے بزرگ و برتر کے لئے ہے جس نے انسان ضعیف البنیان کو اس کائناتِ عالم کا مرکزی نقطہ قرار دیکر اسے اشرف المخلوقات کے مقام سے نوازا اور پھر اس کی ہدایت کے لئے سلسلہ رسالت جاری فرما کر ہمارے آقا فخر الانبیاء سیّد ولدِ آدم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہُ نفسی) کے وجود باجود میں نبوت کے کمالات کو اس انتہائی بلندی تک پہنچایا جس تک اگلوں اور پچھلوں میں سے کسی انسان کی پہنچ نہیں۔ یہ وہ آفتابِ عالم تاب تھا جس میں خدائی انوار کا اجتماع اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اور اس سراجِ منیر کی روشنی قیامت تک کے لئے تمام بنی نوع آدم کے واسطے ہدایت کا ذریعہ قرار پائی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ۔

ہر نُور کے ساتھ ظلمت کا سایہ لگا ہوتا ہے

مگر جس طرح ہر روشنی کے ساتھ تاریکی لگی ہوئی ہے۔ حتّٰی کہ خدائے حکیم و علیم نے فرشتوں کے نورانی وجود کے ساتھ بھی ابلیس کا سیاہ سایہ لگا رکھا ہے۔ اور جس طرح ہر دن کے پیچھے رات آتی ہے اِسی طرح باوجود اس کے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا درخشاں سُورج تمام زمانوں اور تمام قوموں کو روشنی پہنچانے کے لئے طلوع ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے ازلی قانونِ ہدایت کے ماتحت یہ مقدّر کر رکھا تھا کہ آپ ؐ کے اِس ابدی دَور میں بھی لوگوں کی سیاہ بختی کی وجہ سے کبھی کبھی ظلمت اور تاریکی کے زمانے آتے رہیں گے اور آپ ؐ نے اپنی اُمّت کو خبر دی تھی کہ ان تاریکیوں کے ایام میں بھی میرا خدا میری اُمّت کو بھولے گا نہیں۔ بلکہ میرے آفتابِ ہدایت کی منعکس شُدہ روشنی کے ذریعہ حسبِ ضرورت

رُوحانی چاند پیدا کرتا رہے گا۔ جن میں سے کوئی چاند پہلی رات کے ہلال کی طرح ہوگا اور کوئی اس سے بڑا اور کوئی اس سے بڑا۔ اور کوئی چودھویں رات کے درخشاں چاند کی طرح پورا اور روشن ہوگا۔ مگر بہرحال یہ سب چھوٹے اور بڑے چاند آپؐ ہی کے سُورج کے گرد گھومنے والے ہوں گے۔

اُمّتِ محمدیہ میں خلفاء کا سلسلہ

چنانچہ آپؐ کی زبانِ مبارک سے خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ لَايُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔ (سورۃ نور آیت نمبر ۵۶)

> ”یعنی اَے اُمّتِ محمدیہ کے لوگو اللہ تعالیٰ تم میں سے کامل ایمان رکھنے والوں اور اعلیٰ اعمال بجالانے والوں کے ساتھ وعدہ کرتا ہے کہ وہ انہیں اسی طرح دُنیا میں خدمتِ دین کے لئے خلفاء مقرر کرے گا جس طرح کہ اس نے تم سے پہلے نبیوں کی قوموں میں خلفاء مقرر کئے۔ اور اللہ تعالیٰ ان خلفاء کے ذریعہ اس دین اسلام کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے دنیا میں مضبوط و مستحکم کردے گا۔ اور ان کی خوف کی حالت کو امن کی حالت سے بدل دے گا۔ یہ خلفاء خالص میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے مگر اس انتظام کے ہوتے ہوئے بھی جو شخص انکار اور ناشکری کا راستہ اختیار کرے گا وہ خدا کے نزدیک بدعہد سمجھا جائے گا“۔

مجدّدین کا سلسلہ

اِس قرآنی آیت کی تشریح میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔

(ابوداؤد جلد ۲ باب الملاحم)

"یعنی خدا تعالیٰ میری اُمّت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک ایسا شخص مبعوث کرتا رہیگا جو اس کے دین کی تجدید کر کے مسلمانوں کے اُن عقائد اور اعمال کی اصلاح کیا کرے گا جو اس درمیانی عرصہ میں بگڑ چکے ہوں گے"۔

مثیلِ مسیحؑ کی پیشگوئی

لیکن عام مجدّد دین کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ایک خاص تاریکی کے زمانہ کا بھی ذکر فرمایا تھا جس میں غیر معمولی دجّالی فتنوں کا ظہور مقدّر تھا اور چونکہ بڑے فتنہ کو فرد کرنے کے لئے بڑے مصلح کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے آپؐ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ اس زمانہ میں ایک عالی شان مجدّد یعنی مثیل مسیحؑ کا نزول ہوگا۔ چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں:-

"والذی نفسی بیدہٖ لیوشکنّ ان ینزل فیکم ابن مریم حَکَمًا عَدْلاً فیکسر الصّلیب ویقتل الخنزیر و یضع الجزیة.... کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب نزول عیسٰی بن مریم)

"یعنی مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں ضرور ضرور مسیحؑ ابن مریم (اپنے ایک مثیل کے ذریعہ) نازل ہوگا۔ وہ تمام دینی اختلافات میں حَکَم بن کر فیصلہ کریگا اور اس کا فیصلہ حق و انصاف کا فیصلہ ہوگا۔ وہ صلیبی فتنہ کے زور کے وقت میں آئے گا اور اس فتنہ کو پاش پاش کر دے گا۔ اور اس وقت دنیا میں خنزیری گندوں اور پلیدیوں کا بھی زور ہوگا۔ اور مسیحؑ ان پلیدیوں کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔ مگر یہ سب کام دلائل اور براہین اور رُوحانی نشانوں کے ذریعہ ہوگا کیونکہ مذہبی جنگ اور جزیہ اُس زمانہ میں موقوف ہو جائے گا... ہاں ہاں اُس وقت تمہاری کیسی اچھی حالت ہوگی جب مسیح تم میں نازل ہوگا اور وہ تمہیں میں سے تمہارا ایک امام ہوگا"

امام مہدی یعنی بروزِ محمدؐ کے ظہور کی خبر

اِسی پیشگوئی کے دوسرے پہلو کا ذکر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:-

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ (سورۃ جمعہ آیت ۳، ۴)

”یعنی خدا نے عربوں میں اُنہیں میں سے اپنا ایک رسول بھیجا ہے جو اُنہیں خدا کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور اُنہیں پاک وصاف کرتا اور کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے اگرچہ اس سے قبل وہ کھلی کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے اور ایک دوسری جماعت بھی انہی کے ساتھ کی ہے جس کی ہمارا یہ رسول (اپنے ایک ظل اور بروز کے ذریعہ) تربیت فرمائے گا مگر یہ جماعت ابھی تک دنیا میں ظاہر ہو کر صحابہؓ کی جماعت سے ملی نہیں۔ لیکن آئندہ ایک زمانہ میں ضرور ظاہر ہو جائے گی“۔

مسیح و مہدی نے اہلِ فارس میں سے ہونا تھا

بخاری کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب سورۃ جمعہ کی یہ آیات نازل ہوئیں جو اُوپر درج کی گئی ہیں تو کسی صحابی نے آپؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آخرین لوگ کون ہیں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقرب صحابی حضرت سلمان فارسی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ:-

لو كان الايمان عند الثّريا لنالهٗ رجلٌ مِن هٰؤلاءِ

(بخاری کتاب التفسیر باب تفسیر سورۃ جمعہ)

”یعنی اگر کسی زمانہ میں ایمان دنیا سے غائب ہو کر ثریّا ستارے پر بھی چلا گیا تو پھر بھی ان اہلِ فارس لوگوں میں سے ایک شخص اسے دوبارہ زمین پر اُتار لائے گا“۔

اور ایک دوسرے موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ:-

سلمانُ مِنّا اھل البیت (طبرانی کبیر و مستدرک حاکم بحوالہ جامع الصغیر)

"یعنی سلمان فارسی ہمیں میں سے یعنی ہمارے اہل بیت میں سے ہے"۔

اس حدیث میں یہ اشارہ تھا کہ آنے والے مسیح و مہدی نے اہلِ فارس میں سے ہونا تھا اور اس طرح ضمناً وہ دوسرے پیشگوئی بھی پوری ہوگئی جو مہدی کے متعلق کی گئی تھی کہ وہ اہلِ بیت میں سے ہوگا۔

روحانی سورج کا روحانی چاند

بہر حال اِن قرآنی آیات اور ان احادیث سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اُمّتِ محمدیہؐ میں روحانی خلفاء کا وجود ازل سے مقدّر ہو چکا تھا۔ اور ان سب خلفاء نے علیٰ قدرِ مراتب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نُور سے روشنی حاصل کر کے دنیا کو اسی طرح منوّر کرنا تھا جس طرح کہ اِس مادی عالم میں خدا کا بنایا ہوا چاند اُس کے سورج سے روشنی حاصل کر کے زمین کو منوّر کرتا ہے اور پھر جس طرح کہ مختلف راتوں کے چاند مختلف طاقتوں کی روشنیاں لے کر طلوع کرتے ہیں اسی طرح روحانی عالم میں بھی ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نور حاصل کرنیوالے اور آپؐ کے گرد گھومنے والے چاندوں کے لئے مختلف طاقت کی روشنیاں مقدر تھیں۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ گو ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خلفاء اور سارے مجدّد خدا کے فضل سے روحانی چاندوں کا حکم رکھتے ہیں اور ہم ان سب کو دِلی عزّت اور دلی عقیدت اور دلی محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مگر جس چاند نے چودھویں صدی میں طلوع کیا ہے وہی وہ بدرِ منیر ہے جس نے اپنے سورج کی صورت اختیار کر کے اس کی طرف سے ظلّی نبوّت کا خلعت پایا ہے۔ اور یہ وہ نقطہ ہے جہاں سے ہمارا اور ہمارے مخالفین کا اختلاف شروع ہوتا ہے۔

جماعت احمدیہ اور دوسرے مسلمانوں کے اختلاف کی حقیقت

اس اختلاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مخالف یعنی اِس زمانہ کے مولوی صاحبان کہتے

ہیں کہ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سورج سے روشنی پا کر پہلی رات کا چاند بن سکتا ہے، دوسری رات کا چاند بن سکتا ہے، تیسری رات کا چاند بن سکتا ہے، حتّٰی کہ گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں رات کا چاند بھی بن سکتا ہے۔ مگر نہیں بن سکتا تو چودھویں رات کا چاند نہیں بن سکتا۔ کیونکہ چودھویں رات کا چاند اپنی گولائی کے دائرہ کو مکمل کر کے گویا سورج کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور ایسے چاند کے طلوع کرنے میں خدائی سورج کی ہتک ہے۔ افسوس صد افسوس کہ یہ کتنا باطل خیال ہے کہ روشنی کو تاریکی اور خوبی کو نقص اور عزّت کو موجبِ ہتک خیال کیا جاتا ہے! خدا ہمارے اِن بھٹکے ہوئے دوستوں کی آنکھیں کھولے۔ کیا اس مادی عالم میں چودھویں رات کا چاند سورج کی ہتک کا موجب ہوتا ہے کہ ہمارے یہ کرم فرما اصحاب روحانی عالم میں چاند کے طلوع کو سورج کی ہتک کا موجب قرار دے رہے ہیں؟ بھائیو سنو اور دیکھو کہ جب تک چاند سورج کے تابع ہے اور جب تک وہ سورج سے روشنی لے رہا ہے اور جب تک وہ سورج کے گرد گھوم رہا ہے اس وقت تک اس کا کمال خود سورج کا کمال ہے نہ کہ اس کی ذات کا کمال۔ کیونکہ وہ ظِل ہے نہ کہ اصل، تابع ہے نہ کہ آزاد! اور پھر سوچو اور سمجھو کہ کیا سُورج کا زیادہ کمال پہلی اور دوسری اور تیسری راتوں کے چاند پیدا کرنے میں ہے یا کہ چودھویں رات کا چاند پیدا کرنے میں جو اُسی کا نور لے کر آتا اور اس کی شکل میں ظاہر ہوتا اور اپنی تیز روشنی کے ساتھ سارے جہاں کو منوّر کر دیتا ہے؟

اختلاف کا مرکزی نقطہ

بہر حال یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس کی گہرائیوں میں آج کل جماعتِ احمدیہ اور اس زمانہ کے دیگر عام مسلمانوں کا اختلاف مرکوز ہے۔ ہمارے مخالف مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی۔ نہ ظلّی اور نہ مستقل، نہ تابع اور نہ آزاد۔ (گو ہمارے مخالفین اپنے ہی عقیدہ کے خلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اُتار کر ان کی نبوّت کی گدّی بہر حال قائم رکھنا چاہتے ہیں) اس کے مقابل پر ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت آخر شریعت ہے اور آپؐ کے بعد کوئی تشریعی یا

مستقل نبی ہرگز نہیں آسکتا اور یہ دروازہ قیامت تک بند ہے مگر آپؐ کے نُور سے نور پاکر اور آپؐ کا ظِل بن کر اور آپؐ کی شریعت کا خادم ہوکر ایک شخص اُسی طرح نبوّت کے کمالات حاصل کرسکتا ہے جس طرح کہ چودھویں رات کا چاند سُورج سے روشنی پاکر اور سُورج کے تابع ہوکر اور گویا سُورج کے ساتھ بندھا ہوا نکلتا ہے ایسے چاند کے طلوع کو کوئی عقلمند انسان سورج کے لئے موجب ہتک نہیں سمجھ سکتا۔ بلکہ یہ چاند سُورج کے کمال کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اسی کا ظِل ہے نہ کہ اصل، تابع ہے نہ کہ آزاد۔

نبوّت کی تین اقسام

اِس تمہیدی نوٹ کے بعد میں اپنے **اصل** مضمون کی طرف آتا ہوں جو مسئلہ ختم نبوّت کی تشریح اور توضیح کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جیسا کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور تاریخ بھی اس کی شہادت دیتی ہے۔ انبیاء تین قسم کے ہوتے ہیں۔ **اوّل** وہ نبی جو خدا کی طرف سے کوئی نئی شریعت لاتے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات کی شریعت لائے۔ یا جیسا کہ ہمارے آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہٗ نفسی) قرآن مجید کی شریعت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ ایسے انبیاء تشریعی نبی یا صاحبِ شریعت نبی کہلاتے ہیں۔ **دوسرے** وہ نبی جو کوئی نئی شریعت تو نہیں لاتے بلکہ کسی سابقہ شریعت کی خدمت کے لئے مبعوث ہوتے ہیں مگر ویسے ان کی نبوّت مستقل نبوت ہوتی ہے جو انہیں کسی سابقہ نبی کی اتبّاع کی وجہ سے نہیں ملتی بلکہ خدا کی طرف سے براہِ راست ملتی ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور حضرت زکریا اور حضرت یحیٰی اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ یہ سب انبیاء جیسا کہ قرآن مجید اور تورات اور انجیل سے ثابت ہے، موسوی شریعت کے تابع تو ضرور تھے اور اسی کی خدمت کے لئے مبعوث ہوئے تھے مگر بایں ہمہ وہ مستقل نبی تھے کیونکہ اُن کی نبوّت کے حصول میں حضرت موسیٰؑ کی اتبّاع کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ اُنہوں نے یہ انعام براہِ راست خدا کی طرف سے اپنی ذاتی حیثیت میں پایا تھا اور پھر وہ موسوی شریعت کی خدمت میں لگا

دیئے گئے تھے۔ ایسے انبیاء باوجود صاحبِ شریعت نہ ہونے کے مستقل نبی کہلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے (اور یہ ایک خاص نکتہ ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے) کہ ایسے نبیوں کو اپنے سابقہ تشریعی نبی کے تابع ہونے کے باوجود اس کے ساتھ کوئی خاص خادمانہ عقیدت نہیں ہوتی جیسا کہ مثلاً ہمیں حضرت مسیح ناصریؑ میں حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے ماتحت ہونے کے باوجود حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کوئی خاص محبت اور عقیدت کا لگاؤ نظر نہیں آتا۔ بلکہ ان کا معاملہ ایسا نظر آتا ہے جیسے کہ مثلاً ایک ضلع کے کسی مجسٹریٹ یا ای۔اے۔سی کو حسبِ ضرورت کسی دوسرے ضلع میں تبدیل کر کے اس ضلع کے ڈپٹی کمشنر کے ماتحت لگا دیا جائے۔

تیسری قسم کا نبی وہ ہوتا ہے جو نہ تو صاحبِ شریعت ہو اور نہ وہ کوئی مستقل حیثیت رکھتے ہوئے کسی سابقہ نبی کی پیروی کے بغیر براہِ راست نبوّت کا انعام پائے بلکہ اُس کی نبوّت اپنے متبوع نبی کی ظِل اور اسی کا عکس اور اسی کا حصّہ ہو یعنی وہ اپنے متبوع نبی کی پیروی کے نتیجہ میں اسی سے فیض پا کر اور اسی کے نُور سے روشنی لیکر نبوّت کا انعام پائے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی باغبان کو اس کے باغ کی حفاظت کے لئے باہر سے کوئی غیر باغبان لانے کی بجائے اس کا بیٹا ہی بطور نائب کے دے دیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ جو عقیدت اور محبت اور درد اور اخلاص ایک بچے کو اپنے باپ اور اس کے لگائے ہوئے باغ کے ساتھ ہو سکتا ہے وہ ایک غیر شخص کو جو گویا باہر سے لا کر بطور نائب مقرر کر دیا جاتا ہے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے ہم جہاں مقدس بانی سلسلہ احمدیہ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیر معمولی عقیدت اور والہانہ محبت اور اخلاص کا جذبہ دیکھتے ہیں اس کا ہزارواں حصّہ بھی اسرائیلی نبیوں میں حضرت موسیٰؑ کے لئے نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جہاں اسرائیلی نبی گویا باہر سے لائے ہوئے باغبان تھے جو حضرت موسیٰؑ کے باغ کی نگرانی کے لئے مقرر کر دیئے گئے وہاں خدا کے فضل و رحمت سے سلسلہ احمدیہ کا بانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی شاگرد اور آپؐ ہی کا رُوحانی فرزند اور آپؐ ہی کا ظِل تھا۔ اِسی لئے حضرت مسیح موعود یعنی بانی سلسلہ احمدیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ والہانہ عشق نظر آتا ہے جس کی مثال کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔ اور یقیناً ہر وہ شخص جو ایک طرف آپؐ

کی کتب کا مطالعہ کرے گا اور اس کے مقابل پر انجیل میں حضرت موسیٰؑ کے متعلق حضرت عیسیٰؑ کے اقوال وغیرہ پڑھے گا اس پر ہمارے اس دعویٰ کی صداقت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں کس وارفتگی کے ساتھ فرماتے ہیں:-

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا   نام اُس کا ہے محمدؐ دلبر مِرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اِک دوسرے سے بہتر   لیک از خدائے برتر خیر الورٰی یہی ہے
اُس نُور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں   وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
سب ہم نے اُس سے پایا شاہد ہے تو خدایا   وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے
دِل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں   قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مِرا یہی ہے

نبوّت کی اقسام کا اصطلاحی نام

الغرض نبوّت تین قسم کی ہے، اور گو جیسا کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے مختلف نبیوں میں بھی مدارج کا فرق ہوتا ہے۔ لیکن اُصولاً تمام نبی ان تینوں قسموں کی نبوّت میں سے ہی کسی نہ کسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں:-

(۱) اوّل تشریعی نبوّت یعنی ایسی نبوّت جس کے ساتھ کسی نئی شریعت کا نزول ہو جیسا کہ مثلاً حضرت موسیٰؑ یا ہمارے آنحضرت صلی اللہ وسلم کی نبوت تھی۔ ایسی نبوّت بعض اوقات حقیقی نبوّت کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اور یہ نام اسے اس لئے دیا گیا ہے کہ نبوّت کے ہر سلسلہ کا آغاز تشریعی نبوّت سے ہی ہوتا ہے۔ اور باقی دونوں قسم کی نبوتیں اس کے پیچھے آتی ہے۔ پس اگر غور کیا جائے تو دراصل تشریعی نبوّت ہی حقیقی نبوّت کا نام پانے کی مستحق ہے۔

(۲) دوسرے غیر تشریعی مستقل نبوّت یعنی ایسی نبوّت جس کے ساتھ کوئی نئی شریعت تو نہیں ہوتی۔ مگر ویسے وہ ایک مستقل نبوّت ہوتی ہے جو براہِ راست خدا کی طرف سے ملتی ہے۔ اور اس میں کسی سابقہ نبی کی فیض رسانی کا دخل نہیں ہوتا جیسا کہ مثلاً حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی

نبوّت تھی جو موسوی شریعت کے خادم تو بے شک تھے مگر اُن کی نبوّت میں حضرت موسیٰؑ کی فیض رسانی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ بلکہ اُنہوں نے براہِ راست مستقل حیثیت میں نبوّت کا انعام پایا تھا۔ یہ نبوّت **مستقل** نبوّت کے نام سے موسوم ہوتی ہے کیونکہ **مستقل** سے مراد ایسی چیز ہے جو کسی دوسری چیز کے سہارے کے بغیر خود اپنی ذات میں قائم ہو۔

(۳) تیسرے غیر تشریعی ظِلّی نبوّت جو کسی سابقہ نبی کی اتباع میں اور اُس سے نُور پا کر اور اُس کے اندر فنا ہو کر ظلّی صورت میں ملتی ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ احمدیہؑ کی نبوت تھی جو آپؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی میں حاصل کی۔ یہ نبوّت ظلّی نبوّت کہلاتی ہے اور ایسا نبی اگر ایک جہت سے نبی کہلاتا ہے تو دوسری جہت سے وہ اُمّتی بھی ہوتا ہے۔

نبوّت کی اقسام کے متعلق ہمارا اور ہمارے مخالفین کا نظریہ

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ہمارے مخالفین کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان تینوں قسم کی نبوّت کلّی طور پر بند ہو چکی ہے۔ اور آپؐ کے بعد کوئی شخص خواہ وہ کسی قسم کی نبوت کا حامل ہو قیامت تک نہیں آ سکتا۔ یعنی اُمتِ محمدیہ کا کوئی فرد خواہ وہ کتنا ہی کامل ہو ظلّی طور پر بھی کمالاتِ نبوّت کا وارث نہیں بن سکتا۔ گو ہمارے مہربان مخالف اپنے ہی عقیدہ کے خلاف یہ عقیدہ ضرور رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سو سال قبل حضرت موسیٰؑ کی شریعت کی خدمت کیلئے مستقل نبوّت پا کر مبعوث ہوئے تھے۔) وہ کچھ عرصہ کے لئے اپنی سابقہ نبوّت کے ساتھ اُمتِ محمدیہ کی اصلاح کے لئے دوبارہ تشریف لائیں گے۔ اس کے مقابل پر جماعتِ احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلی دو قسموں کی نبوّتوں کا دروازہ تو کلّی طور پر بند ہو چکا ہے یعنی اب نہ تو کوئی صاحبِ شریعت نبی آ سکتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت آخری شریعت ہے۔ اور نہ بغیر شریعت کے ہی کوئی ایسا نبی آ سکتا ہے جس نے مستقل حیثیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت سے آزاد رہ کر نبوّت پائی ہو۔ کیونکہ اس میں ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّتِ تامہ کاملہ کی ہتک ہے کہ کوئی شخص آپؐ

کے فیض سے باہر رہ کر نبوّت کے کمالات کا وارث بنے۔ مگر تیسری قسم کا نبی جو ظلّی اور اُمّتی نبی کہلاتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے اور آپؐ کے فیض سے فیض پا کر اور آپؐ کے نُور سے منوّر ہو کر آپؐ کی غلامی میں نبوّت کا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت تامّہ کاملہ کی ہتک نہیں۔ بلکہ آپؐ کی نبوّت کا کمال ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے درخشاں سورج نے اپنے نُور کے زور سے اپنی ہی شکل پر اپنے گرد گھومنے والا ایک پورا چاند پیدا کر دیا۔ اور ہمارے عقیدہ کے مطابق اِس قسم کی نبوّت سے ختم نبوّت کی مہر بھی ہرگز نہیں ٹوٹتی اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے میں کوئی رخنہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ مخدوم اور متبوع اور فیض دہندہ ہونے کے لحاظ سے اس صورت میں بھی دراصل آپؐ ہی آخری نبی رہتے ہیں۔ جیسا کہ چاند کے نکلنے سے سورج کی حکومت ختم نہیں سمجھی جاتی بلکہ اس کی حکومت کا اقتدار اور بھی زیادہ نمایاں ہو کر نظر آنے لگتا ہے۔ اسی نظریہ کے ماتحت ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو ختمِ نبوّت کے منافی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں کیونکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے براہِ راست نبوّت کا منصب پایا تھا۔ لہٰذا ایسے شخص کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اِصلاح کے لئے مبعوث ہونا جس کی نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی مرہونِ منّت نہیں صریحاً ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے موجبِ ہتک اور ختم نبوّت کی مہر کو توڑنے والا ہے فافھم و تدبّر و لا تکن من الممترین۔

ختمِ نبوّت کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا حلفی اعلان

لیکن قبل اس کے کہ مَیں جماعتِ احمدیہ کے عقیدہ کی تائید میں دلائل بیان کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ کے اپنے الفاظ میں جماعت احمدیہ کا عقیدہ بیان کر دیا جائے تا دلیل سے پہلے دعویٰ کی حقیقت واضح ہو جائے اور ہمارے ناظرین خود مدّعی کے منہ سے اس کا دعویٰ سُن لیں تا اس کے بعد کوئی فتنہ پرداز انسان ہماری طرف غلط باتیں منسوب کر کے خلقِ خدا کو دھوکہ نہ دے سکے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:-

”مجھے خدا کی عزّت وجلال کی قسم ہے کہ مَیں مومن اور مسلمان ہوں۔ اور مَیں ایمان رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کے فرشتوں پر اور بعث بعد الموت پر۔ اور مَیں ایمان رکھتا ہوں اِس بات پر کہ ہمارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسول سے افضل اور خاتم النبیین ہیں“۔

(ترجمہ از عربی عبارت حمامۃ البشریٰ صفحہ ۸)

پھر فرماتے ہیں:۔

”مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے یہ ہم پر افتراءِ عظیم ہے۔ ہم جس قوّت اور یقین اور جس معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں اس کا لاکھواں حصّہ بھی یہ (الزام لگانے والے) لوگ نہیں مانتے“۔ (الحکم ۱۷؍مارچ ۱۹۰۵ء)

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے ختمِ نبوّت کی تشریح

اس حلفی دعوے کی تشریح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”ہمارا یہ ایمان ہے کہ آخری کتاب اور آخری شریعت قرآن ہے اور بعد اس کے تا قیامت ان معنوں میں کوئی نبی نہیں جو صاحبِ شریعت ہو یا بلاواسطہ متابعتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی پا سکتا ہو......اس کی تفصیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس جگہ یہ وعدہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اسی جگہ یہ اشارہ بھی فرما دیا ہے کہ آنجناب اپنی روحانیت کی وجہ سے اُن صلحاء کے حق میں باپ کے حکم میں ہیں۔ جن کی تکمیلِ نفوس بذریعہ متابعت کی جاتی ہے اور وحی الٰہی اور شرف مکالمات کا ان کو بخشا جاتا ہے۔ جیسا کہ وہ جلّشانہٗ فرماتا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

(سورۃ احزاب) یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ اور خاتم الانبیاء ہے۔ اب ظاہر ہے کہ لاکن کا لفظ زبانِ عرب میں استدراک کے لئے آتا ہے یعنی تدارک مافات کے لئے (استعمال ہوتا ہے) سو اِس آیت کے پہلے حصّہ میں جو امر فوت شدہ قرار دیا گیا ہے یعنی جس امر کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نفی کی گئی ہے وہ جسمانی طور سے کسی مرد کا باپ ہونا تھا۔ سو لاکن کے لفظ کے ساتھ اِس فوت شدہ امر کا اس طرح تدارک کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ آپؐ کے بعد براہِ راست فیوض نبوّت منقطع ہو گئے اور اب کمالِ نبوّت صرف اس شخص کو مل سکتا ہے جو اپنے اعمال پر اتباعِ نبوی کی مہر رکھتا ہو۔ اور اسطرح وہ (روحانی لحاظ سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا اور آپؐ کا وارث ہوگا غرض اِس آیت میں ایک طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ ہونے کی نفی کی گئی ہے اور دوسرے طور پر باپ ہونے کا اثبات کیا گیا ہے تا مخالفین کا وہ اعتراض جس کا ذکر اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ میں ہے دُور کیا جائے۔ ماحصل اِس آیت کا یہ ہوا کہ نبوّت گو وہ بغیر شریعت کے ہو اِس طرح پر تو ممتنع ہے کہ کوئی شخص براہِ راست مقام نبوّت حاصل کر سکے لیکن اِس طرح پر ممتنع نہیں کہ وہ نبوّت چراغِ محمدی سے مکتسب اور مستفاض ہو"۔

(ریویو بر مباحثہ چکڑالوی و اہلحدیث صفحہ ۶، ۷)

پھر فرماتے ہیں:۔ " خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کی مُہر ہیں) آپؐ کی مُہر کے بغیر کسی نبوّت کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔ جب (کسی کاغذ پر) مُہر لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سَند ہو جاتا ہے اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے۔ اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر اور تصدیق جس نبوّت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں"۔ (الحکم ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

پھر فرماتے ہیں:-

"اللہ جلّشانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا اور آپ کو افاضۂ کمال کے لئے وہ مُہر دی جو کسی اَور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپؐ کی پیروی کمالاتِ نبوّت بخشتی ہے۔ اور آپؐ کی توجہ رُوحانی نبی تراش ہے اور یہ قوّتِ قدسیّہ کسی اور نبی کو نہیں ملی"۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۶-۹۷)

اب محمدیؐ نبوّت کے سوا سب نبوّتیں بند ہیں

پھر اپنے دعویٰ کی مخصوص تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

"یہ شرف مجھے محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہوا ہے۔ اگر مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت نہ ہوتا اور آپؐ کی پیروی نہ کرتا تو اگر دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی مَیں کبھی یہ شرفِ مکالمہ مخاطبہ ہرگز نہ پاتا۔ کیونکہ اب بجز محمدی نبوّت کے سب نبوّتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہوسکتا ہے۔ مگر وہی جو پہلے اُمّتی ہو۔ پس اِس بناء پر مَیں اُمّتی بھی ہوں اور نبی بھی"۔ (تجلّیاتِ الٰہیہ صفحہ ۲۴، ۲۵)

اختلاف حل کرنے کے چار امکانی طریقے

ختمِ نبوّت کے متعلق جماعتِ احمدیہ اور اِس زمانہ کے دیگر عامۃ المُسلمین کے عقیدہ کا اختلاف بیان کرنے کے بعد اب مَیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس اختلاف کے حل کی صورت کیا ہے۔ اور ہم کس طرح فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس معاملہ میں جماعتِ احمدیہ کا نظریہ درست ہے یا کہ اس زمانہ کے دوسرے عام مسلمانوں کا؟ سو جاننا چاہیئے کہ ایک مسلمان کے لئے تمام دینی مسائل میں اختلاف کا حل امکانی طور پر صرف چار طریق پر ہی ہوسکتا ہے۔ اوّل قرآن مجید کے ذریعہ جو حق و

باطل کو پہچاننے کے لئے سب سے زیادہ پختہ اور سب سے زیادہ یقینی کسوٹی ہے اور جس کے متعلق خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ (سورۃ جاثیہ آیت ۷) ”یعنی خدا اور اس کی آیات کی گواہی کے مقابل پر لوگ کس حدیث کو قبول کریں گے؟

دوسرے درجہ پر حدیث ہے۔ حدیث گو اتنا پختہ اور ارفع مقام نہیں رکھتی جو کتاب اللہ کو حاصل ہے اور نہ ہی کسی حدیث کے متعلق یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ وہ ضرور من وعن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کلام ہے۔ مگر پھر بھی قرآن مجید سے اُتر کر اسلامی مسائل کو حل کرنے کے لئے حدیث ایک نہایت عمدہ ذریعہ ہے۔ گو ہمیں لازماً اس میدان میں مختلف حدیثوں کے مدارج اور صحیح اور ضعیف کے فرق کو مدِّ نظر رکھنا ہوگا۔

تیسرے درجہ پر اسلام کے گذشتہ صلحاء اور مجدّدین اور ائمہ کا مقام ہے۔ کیونکہ یہ مبارک طبقہ کو بشری غلطیوں سے پاک نہ ہو لیکن بہرحال وہ عامۃ المسلمین کی نسبت بہت زیادہ اعتماد کا درجہ رکھتا ہے۔ اور چونکہ ان بزرگوں کے اقوال موجودہ اختلاف اور موجودہ بحث سے پہلے کے ہیں اس لئے وہ اس تعصّب کے عنصر سے بھی پاک ہیں جو بدقسمتی سے حاضر الوقت مسلمان کے دلوں میں جماعت احمدیہ کے خلاف پایا جاتا ہے۔ اور ان کے علم اور تقویٰ کا مقام بھی یقیناً موجودہ زمانہ کے مولویوں سے بدرجہا بہتر اور بدرجہا ارفع تھا۔

چوتھے درجہ پر عقلِ انسانی ہے جو اپنی امکانی لغزشوں کے باوجود خدا کی طرف سے پیدا کیا ہوا اندرونی نور ہے جس کے ذریعہ دنیا کے اکثر کام سرانجام پاتے ہیں۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ اگر درمیان میں کوئی ظلمت کا پردہ حائل نہ ہو تو کھوٹے کھرے کو پہچاننے کے لئے عقل ایک بہت مفید اور کارآمد آلہ ہے۔ سو اَب یہ خاکسار خدا کی توفیق سے اِنہیں چار معیاروں کے مطابق ختم نبوّت کے سوال پر نظر ڈالتا ہے تا ہمارے معزز ناظرین اِس معاملہ میں کسی فیصلہ کن نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ وَمَا توفیقی الاّ باللہ العظیم نعم المولیٰ و نعم الوکیل۔

قرآن مجید کی رُو سے مسئلہ ختمِ نبوّت کا حل

قرآن کی مبارک کسوٹی

جیسا کہ مَیں نے اُوپر بیان کیا ہے سب سے ارفع مقام قرآن مجید کا ہے اور اسی مبارک کسوٹی سے ہم اپنی اس مختصر بحث کی ابتداء کرتے ہیں۔ سو سب سے پہلے تو یہ بات جاننی چاہئے کہ قرآن مجید میں کوئی ایک آیت بلکہ آیت کا جزو بلکہ کوئی ایک لفظ تک ایسا نہیں ملتا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا دروازہ بند ہونا ثابت ہوتا ہو۔ بلکہ ہر جگہ خدائی رحمتوں اور خدائی نعمتوں کے دریا بہتے نظر آتے ہیں اور قرآن مجید جابجا اس قسم کی توضیحات اور اشارات سے پُر ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد خصوصیّت کے ساتھ خدائی نعمتوں کا چشمہ زیادہ زور کے ساتھ بہنے لگ گیا ہے۔ لے دے کے منکرینِ اجرائے نبوّت صرف آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ پیش کرتے ہیں مگر یہ آیت تو خود زیرِ بحث ہے۔ اور ایک زیرِ بحث امر میں ایک متنازعہ آیت پیش کرنا ہرگز کافی نہیں سمجھا جا سکتا۔ اِسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید کا یہ طریق ہے کہ جب وہ کوئی اہم صداقت بیان کرتا ہے تو صرف ایک آیت پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کی تائید میں مختلف مقامات پر مختلف رنگوں میں بہت سی آیات لا کر گویا دلائل اور شواہد کا ایک سُورج چڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ وہ خود فرماتا ہے کہ:-

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۴۲)

"یعنی ہم قرآن میں ایک مضمون کو بار بار مختلف شکلوں اور مختلف صورتوں میں بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ سمجھ سکیں۔ اور غلطی میں مبتلا نہ ہوں"۔

پس قرآن مجید کا اس اہم مضمون پر صرف ایک آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ بیان کر کے بالکل خاموش ہو جانا اور کسی دوسری جگہ اُس مضمون کو نہ دہرانا جو ہمارے مخالف خیال اصحاب اِس آیت سے نکالنا چاہتے ہیں۔

بلکہ جابجا اس کے خلاف بیان کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کو سارے دوسرے نبیوں سے زیادہ وسیع اور بالا اور ارفع رنگ میں پیش کرنا اس بات کی قطعی اور یقینی دلیل ہے کہ آیت خاتم النّبیین کے وہ معنی ہرگز درست نہیں جس کے ذریعہ ہمارے بھٹکے ہوئے دوست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض اور برکات اور آپؐ کے بعد خدائی نعماء کے ظہور کو محدود اور محصور کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن مجید کی کوئی آیت نبوت کا دروازہ بند نہیں کرتی

بہرحال ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ آیت خاتم النّبیّین کے علاوہ (جو اس وقت خود زیرِ بحث ہے اور ہم ابھی ثابت کریں گے کہ اس آیت کے بھی وہ معنی ہرگز نہیں جو ہمارے مخالفین بیان کرتے ہیں) قرآن مجید میں کوئی ایک آیت یا کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے ہمارے آقا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوّت کا دروازہ بند ہونا ثابت ہوتا ہو۔ بلکہ اس کیخلاف جابجا یہ بیان موجود ہے کہ سرورِ کائنات فخر موجودات سیّدِ وُلدِ آدم حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدائی نعمتوں اور رحمتوں اور برکتوں کے دروازے پہلے سے بھی بہت زیادہ وسیع صورت میں کھل گئے ہیں۔

باقی رہی آیت خاتم النبیین سو اس کے متعلق ہم انشاء اللہ ابھی ثابت کریں گے کہ اس سے بھی ہرگز وہ مطلب نہیں نکلتا جو ہمارے مخالفین سراسر سینہ زوری کے ساتھ اس کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ یہ آیت بھی دوسری بیسیوں آیتوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر برکات اور عدیم المثال فیوض کا ایک وسیع دروازہ کھول رہی ہے جسے ہمارے مہربان دوست اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے دیکھنے اور شناخت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

پس قرآنی کسوٹی کے مطابق ہماری پہلی دلیل تو یہ ہے کہ قرآن مجید کی کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں جو نبوّت کا دروازہ بند کرتی ہو یا آیت خاتم النبیین کے ان معنوں کی مؤیّد ہو جو ہمارے مخالف بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآنی اصول کے مطابق اگر آیت خاتم النبیین کے واقعی وہی معنی تھے جو اس زمانہ کے مولوی صاحبان اس کی طرف منسوب کرتے ہیں تو قرآن مجید کو چاہئے تھا کہ

اپنی بہت سی دوسری آیتوں میں اِس مضمون کو مختلف صورتوں میں دُہرا کر اس پر دلائل اور شواہد کا ایک سُورج چڑھا دیتا مگر معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ قرآن مجید پکار پکار کر گواہی دے رہا ہے کہ ہمارے آقا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدائی نعمتوں اور برکتوں کا دروازہ پہلے سے بھی بہت زیادہ وسیع ہوگیا ہے۔ کاش برادرانِ اسلام اِس نکتہ کو سمجھیں!

سورۃ فاتحہ کی زبردست شہادت

اِس کے بعد مَیں اُس قرآنی آیت کو لیتا ہوں جو قرآن مجید کی افضل ترین سورۃ میں بیان کی گئی ہے۔ قرآن مجید ہمیں اپنی سب سے پہلی سورۃ میں یہ عظیم الشان دُعا سکھاتا ہے کہ:-

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (سورہ فاتحہ آیت ۶، ۷)

"یعنی اے ہمارے خدا جس نے ہماری طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تُو ہمیں سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دے۔ وہ رستہ جو تیری طرف سے انعام پانے والوں کا رستہ ہے۔"

یہ آیت جو قرآن مجید کے بالکل شروع میں درج ہے اور جسے ہر باعمل مسلمان دن میں کم از کم تیس دفعہ پڑھتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے لئے ایک عظیم الشان بشارت کی خبر دے رہی ہے۔ اِس آیت میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو یہ دُعا سکھاتا ہے کہ تم مجھ سے وہ تمام انعام مانگو جو مَیں تم سے پہلی اُمتوں میں انعام پانے والے لوگوں پر کرتا رہا ہوں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس دُعا میں صرف ہدایت طلب کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ اگر صرف یہی مقصد ہوتا تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے الفاظ کہنا کافی تھے۔ اور اس کے ساتھ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ زیادہ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ ان الفاظ کا زیادہ کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس جگہ صرف عام طلبِ ہدایت کی تعلیم دینا مقصود نہیں بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ گذشتہ انعام پانے والوں کے انعاموں کی

طرف توجہ دلا کر مسلمانوں کے دِلوں میں ان انعاموں کی طلب اور ان کے حصول کے لئے تڑپ کا جذبہ پیدا کیا جائے اور اُمّتِ محمدیہ کے معیار کو بلند کر کے مسلمانوں کو اِس بات کی طرف توجہ دلائی جائے کہ جو انعام پہلی اُمّتوں کو متفرق طور پر ملتے رہے ہیں وہ سب کے سب تمہارے لئے بصورتِ اتم جمع کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ اس کی تشریح میں قرآن مجید دوسری جگہ فرماتا ہے کہ:۔

”وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا○ (سورہ نساء آیت ۷۰)

”یعنی جو لوگ خدا اور اِس رسولؐ کی سچّی سچی پیروی اختیار کرتے ہیں وہ اُن لوگوں کے ساتھ شامل کئے جائیں گے جن پر ہم نے انعام کیا۔ یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور صالح۔ اور یہ سب انعام پانے والی جماعتیں آپس میں بہت مبارک رفیق اور بہترین ساتھی ہیں“۔

انعام پانے والوں کے چار طبقات

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ انعام پانے والے لوگوں کے مختلف طبقات بیان فرماتا ہے اور بتاتا ہے کہ دین کے رستہ میں منعم علیہ لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل نبی دوم صدّیق۔ سوم شہید اور چہارم صالح۔ یعنی کوئی شخص اپنی استعداد اور اپنے محاسن کی بناء پر اور بمقتضائے ضرورتِ زمانہ نبوّت کا انعام پا لیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے مکالمہ مخاطبہ اور اُمورِ غیبیّہ سے بکثرت مشرّف ہو کر مخلوقِ خدا کی طرف مبعوث ہوتا ہے۔ اور کوئی شخص صدّیق بن جاتا ہے جس کے عقائد اور اعمال گویا مجسّم صداقت بن جاتے ہیں۔ اور اس کے قول اور فعل میں کسی نوع کی مغائرت باقی نہیں رہتی۔ اور کوئی شہید کا درجہ پا لیتا ہے جس کی زندگی اور موت دین کے رستہ میں گویا ایک مجسّم شہادت بن جاتی ہے۔ اور کوئی صالح ہو جاتا ہے جس کے اعمال نیکی کا رستہ اختیار کر کے اس رستہ پر پختہ صورت میں قائم ہو جاتے ہیں۔

اب دیکھو کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ نے ہمیں سورۂ فاتحہ میں خود یہ دُعا سکھائی ہے کہ اے

مسلمانو! تم اُن لوگوں کا رستہ تلاش کرو اور ان لوگوں کی برکتوں کے طالب بنو جنہوں نے تم سے پہلے خدا کے انعام پائے۔ بلکہ جہاں سابقہ اُمتوں نے یہ انعام متفرق صورت میں حاصل کئے وہاں تم ان سب انعاموں کو اپنے اندر جمع کرنے کی کوشش کرو۔ اور دوسری خدا تعالیٰ نے خود یہ تشریح فرمادی کہ انعام پانے والوں سے ہماری مراد نبی اور صدیق اور شہید اور صالح ہیں۔ تو اب ان دو واضح آیتوں کو ملانے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ محمدیہؐ کے لئے جو خدا کے فضل سے سب اُمتوں میں سے افضل ترین امّت ہے۔ نبوّت کے انعام کا دروازہ کُھلا رکھا ہے۔ ورنہ یہ ہرگز ممکن نہیں تھا کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ سورۃ فاتحہ میں یہ دُعا سکھاتا کہ ’’اے خدا ہمیں انعام پانے والے لوگوں میں شامل فرما۔ اور دوسری طرف خود یہ تشریح فرماتا کہ ’’انعام پانے والوں سے ہماری مراد نبی اور صدیق اور شہید اور صالح ہیں‘‘۔ اور پھر باوجود اس کے اپنے حبیب کی اُمّت پر ان برکات کے دروازے بند رکھتا!

عزیزو اور دوستو غور کرو اور اپنے دل و دماغ کی کھڑکیوں کو کھول کر سوچو کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ یہ دُعا سکھاتا ہے کہ ہمیں انعام پانے والے لوگوں میں شامل کر اور دوسری طرف وہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ انعام پانے والوں سے نبی اور صدِّیق اور شہید وغیرہ مراد ہیں تو کیا ان دو قرآنی آیتوں کے مرکّب مفہوم سے اس کے سوا کوئی اَور بات ثابت ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے کہ اِس اُمّت کے لئے جو خدا کے فضل سے افضل ترین اُمّت ہے جس طرح صدِّیق اور شہید اور صالح کا انعام کھلا ہے اسی طرح نبوّت کا انعام بھی کھلا ہے؟ ورنہ ہمارے خدائے قدّوس پر نعوذ باللہ یہ الزام آتا ہے کہ ایک طرف تو وہ ہمیں خود کہتا اور ترغیب دیتا ہے کہ مجھ سے یہ یہ چیزیں مانگو اور دوسری طرف وہ اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے کہ مَیں تو یہ چیزیں تمہیں ہرگز نہیں دوں گا۔ افسوس صد افسوس۔ کیا خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہی ایسی رہ گئی ہے کہ اس کے ساتھ یہ کھیل کھیلا جائے؟

اِس اُمّت پر انعام کے سارے رستے کھلے ہیں

پھر لطف یہ ہے اور حقیقۃً یہ قرآن مجید کا ایک کمال ہے کہ اگر ان آیتوں کو مرکّب صورت

میں نہ بھی لیا جائے جیسا کہ ہم نے اُوپر والے بیان میں لیا ہے تو پھر بھی علیٰحدہ علیٰحدہ صورت میں بھی یہ دونوں آیتیں (یعنی سورہ فاتحہ کی آیت اور سورہ نسآء کی آیت جو اُوپر درج کی جاچکی ہیں) بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ اُمّتِ محمدیہؐ میں نبوّت کا دروازہ کھول رہی ہیں۔ چنانچہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں سورۂ فاتحہ کی آیت کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔

"یعنی اے ہمارے خدا ہمیں سیدھے رستہ کی طرف ہدایت دے، وہ رستہ جو تیری طرف سے انعام پانے والوں کا رستہ ہے"۔

اب ظاہر ہے کہ اگر سورۂ نسآء والی آیت جو ہم اُوپر درج کر چکے ہیں نہ بھی ہو تو پھر بھی یہ سورۂ فاتحہ والی آیت اپنی ذات میں ہی اس بات کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے کہ مسلمانوں کیلئے ان تمام انعاموں کے دروازے کھلے ہیں جو سابقہ اُمّتوں کو متفرق طور پر ملتے رہے ہیں کیونکہ جب خدا خود ایک دُعا سکھاتا ہے اور اس دُعا میں انعام کے ذکر کو مطلق رکھا گیا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شرط یا حد بندی نہیں لگائی گئی تو لازماً اس کے یہی معنی ہیں کہ دُعا مانگنے والوں کیلئے سب قسم کے انعاموں کے حصول کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے ورنہ ایسی دُعا کا سکھانا بالکل بے سود بلکہ مضحکہ خیز بن جاتا ہے پس اگر سورۂ نسآء والی آیت نہ بھی ہو جس میں انعام پانے والوں کے طبقات بیان کئے گئے ہیں تو پھر بھی محض اس دُعا کا سکھایا جانا ہی کہ ہمیں وہ انعامات عطا فرما جو تُو نے پہلے لوگوں کو دیئے اِس بات کا کافی وشافی ثبوت ہے کہ اُمّتِ محمدیہؐ کے لئے تمام سابقہ اُمّتوں والے انعاموں کا دروازہ کھلا ہے۔ وھو المُراد۔

رسولِ پاک کے بعد تشریعی اور مستقل نبوّت کا دروازہ کیوں بند ہے؟

اس جگہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کر سابقہ اُمّتوں کے انعاموں میں تو تشریعی

نبوت اور مستقل نبوّت بھی شامل تھیں لیکن باوجود اس کے اب اس قسم کی نبوتوں کا دروازہ بند ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل سوال مطلق نبوّت کا ہے نہ کہ اِس قسم یا اس قسم کی نبوّت کا اور مطلق نبوّت کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ باقی رہا تشریعی نبوّت اور مستقل نبوت کا سوال سو ہر شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ نبوّت کی قسم کا سوال محض ایک انتظامی نوعیّت کی چیز ہے۔ جسے انعام کے پہلو سے کوئی تعلق نہیں جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا کی مختلف قوموں کو ان کے حالات کے مطابق علیٰحدہ علیٰحدہ شریعت کی ضرورت تھی تو خدا نے مختلف نبیوں پر علیٰحدہ علیٰحدہ شریعتیں نازل فرمائیں۔ لیکن جب دنیا کے حالات بدل گئے اور سرورِ کائنات حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ سارے زمانوں اور ساری قوموں کے لئے ایک آخری اور عالمگیر شریعت نازل ہوگئی تو اس کے بعد طبعاً نئی شریعت کا نزول بند ہوگیا اسی طرح چونکہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کامل و مکمّل نبی تھے اور عظیم الشان قوتِ قدسیہ لیکر مبعوث ہوئے تھے جس کے فیض سے ایک شخص نبوّت کا مقام حاصل کرسکتا تھا۔ اس لئے آپؐ کے بعد مستقل نبوّت یعنی براہِ راست حاصل ہونے والی نبوّت کا دروازہ بھی بند ہوگیا۔ لیکن جہاں تک مطلق نبوّت کا سوال ہے وہ آپؐ کے بعد ظلّی نبوّت کی صورت میں کھلی ہے اور ہرگز بند نہیں ہوئی۔ پس اصل سوال مطلق نبوّت کا ہے نہ کہ نبوّت کی اِس قسم یا اُس قسم کا۔ نبوّت کی قسم کا سوال ایک بالکل زائد امر ہے۔ جو زمانہ کی ضروریات اور حالات سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شریعت والی نبوّت اور مستقل نبوّت کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ آپؐ کی شریعت کامل اور دائمی ہے جس کے بعد کسی نئی شریعت کی حاجت نہیں۔ اور آپؐ ایک کامل اور انتہائی قوتِ قدسیہ رکھنے والے نبی ہیں جس کے بعد مستقل نبوّت کا سوال نہیں۔ الغرض اصل سوال مطلق نبوّت کا ہے۔ نہ کہ نبوّت کی قسم کا۔ اور مطلق نبوّت اب بھی جاری ہے۔ اور ہرگز بند نہیں ہوئی۔

مثال کے طور پر غور کرو کہ اگر بالفرض کسی ضلع میں کوئی سرکاری خزانہ نہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہاں کوئی ای۔ اے۔ سی افسر خزانہ کے طور پر مقرر نہیں کیا جائے گا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس ضلع میں ای۔ اے۔ سی کا عہدہ ہی منسوخ ہوگیا ہے۔ کیونکہ حسبِ ضرورت دوسری ڈیوٹیوں پر

ای-اے-سی بدستور کام کرتے رہیں گے۔ یہ ایک موٹی سی بات ہے جو کسی عقلمند انسان کے رس
میں روک نہیں ہونی چاہئے۔

اُمّتِ محمدیہؐ کس طرح قلتِ انبیاء کے باوجود ساری اُمّتوں سے افضل ہے

مگر اس جگہ ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اگر مطابق قرآنی آیت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اُمّتِ محمدیہؐ ساری اُمّتوں سے افضل ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمّت میں تو حضرت داؤدؑ اور حضرت سُلیمانؑ اور حضرت زکریاؑ اور حضرت یحیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ وغیرہم بہت سے نبی آئے مگر اُمّتِ محمدیہؐ میں ابھی تک صرف ایک ہی نبی مبعوث ہوا ہے؟ اگر نبوّت واقعی ایک انعام ہے اور اگر اُمّتِ محمدیہؐ واقعی افضل ہے تو اِس اُمّت میں اُن سے بھی زیادہ نبی مبعوث ہونے چاہئے تھے۔ اِس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بیشک حضرت موسیٰؑ کی اُمّت میں بظاہر بہت نبی آئے مگر یہ نبی حضرت موسیٰؑ کی پیروی اور فیض کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں براہِ راست نبوّت کے انعام سے نواز کر موسوی شریعت اور موسوی اُمّت کی خدمت میں لگا دیا تھا اس لئے ان کا آنا موسوی اُمّت کی افضلیّت کا نشان نہیں تھا۔ لیکن اس کے مقابل پر جو نبی اُمّتِ محمدیہؐ میں مبعوث ہوا ہے وہ خالصۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یافتہ اور آپؐ کا روحانی فرزند ہے اور اسنے جو کچھ پایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی اور غلامی میں پایا ہے۔ اس لئے اس کا آنا خواہ وہ ایک ہی ہے یقیناً اُمّتِ محمدیہؐ کی افضلیّت کی دلیل ہے۔ چنانچہ اِسی قسم کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے سلسلہ احمدیہ کے بانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں کہ:-

> ”اِس جگہ یہ سوال طبعاً ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی اُمّت میں بہت سے نبی گذرے ہیں (اور اُمّتِ محمدیہؐ میں یہ اِس وقت تک صرف ایک ہی نبی آیا ہے) پس اِس حالت میں موسیٰؑ کا افضل ہونا لازم آتا ہے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ (حضرت موسیٰؑ کی اُمّت میں) جس قدر نبی گذرے ہیں اُن سب کو خدا نے براہِ

> راست چُن لیا تھا حضرت موسیٰؑ کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں تھا۔ لیکن اس اُمّت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزار ہا اولیاء ہوئے ہیں اور ایک وہ بھی ہوا جو اُمّتی بھی ہے اور نبی بھی۔ اِس کثرتِ فیضان کی کسی نبی میں نظیر نہیں مل سکتی۔ اسرائیلی نبیوں کو الگ کر کے تمام لوگ اکثرت موسوی اُمّت میں ناقص پائے جاتے ہیں۔ رہے انبیاء سو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کچھ نہیں پایا بلکہ وہ براہِ راست نبی کئے گئے۔ مگر اُمّتِ محمدیہؐ میں ہزار ہا لوگ محض پیروی کی وجہ سے ولی کئے گئے۔ (اور ایک وہ بھی ہوا جو اُمّتی بھی ہے اور نبی بھی)''۔ (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۲۸)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ لطیف جواب کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ مگر مَیں اس جگہ اہلِ ذوق کے لئے ایک ضمنی بات ضرور کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ جواب جو اُوپر درج کیا گیا ہے ایک ایسی حقیقت سے تعلق رکھتا ہے جس کا علم عقل یا تاریخ وغیرہ کے نتیجہ میں ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ جواب وجدان اور عرفان کے دائرہ سے تعلق رکھتا ہے۔ پس اگر غور کیا جائے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ جواب ضمناً آپؑ کے اعلیٰ روحانی مقام کی بھی دلیل ہے کیونکہ اِس قسم کے وجدانی جواب پر وہی شخص آگاہ ہو سکتا ہے جو خود صاحب حال ہو۔ اور خدائے قدّوس کا خاص قُرب رکھتا ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ دوسرے مقرّبین بارگاہِ الٰہی کے مقامِ قرب کو بھی جانتا اور سمجھتا ہو۔ ورنہ اِس قسم کے وجدانی اُمور کی خبر دوسرے لوگوں کو نہیں ہو سکتی۔ ان باتوں کو یا تو خدا جانتا ہے جس پر کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ اور یا وہ لوگ جان سکتے ہیں جو دربارِ قدسی تک رسائی رکھتے ہیں کیونکہ اندر کی چیز باہر والے نہیں دیکھ سکتے۔ اور نہ خدائی دربار کی باتیں دوسروں کو نظر آ سکتی ہیں۔ سو الحمدللہ کہ خدا نے ہمیں وہ بلند مرتبہ امام عطا فرمایا جس نے اپنے مقدّس آقا کی طفیل خدا سے وہ سارے انعامات پائے جو پہلے لوگوں نے براہِ راست پائے تھے۔ اِس نعمت الٰہی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ کیا خوب فرماتے ہیں کہ:-

آنچہ داداست ہر نبی را جام   داد آں جام را مرا بتمام

دل من بُرد و اُلفتِ خود داد خود مراشد بوحي خود اُستاد
من خدا رابدوشناختہ ام دِل بدیں آتشم گداختہ ام
ناصحاں راخبر زحالم نیست گذرے سوئے آں زلالم نیست

(نزول المسیحؑ)

رسول پاکؐ کے پَیروساری برکتوں کے وارث ہیں

اس وقت تک مَیں نے یہ بتایا ہے کہ سورۃ فاتحہ کی آیت علیٰحدہ اور منفرد صورت میں بھی اُمّتِ محمدیہؐ کے لئے سارے ان انعامات کا دروازہ کھول رہی ہے جو گزشتہ اُمّتوں کو ملے تھے۔ اب مَیں سُورۃ نسآء والی آیت کو علیٰحدہ صورت میں لیکر ثابت کرتا ہوں کہ وہ بھی اس دروازہ کو واضح طور پر کھول رہی ہے۔ یہ آیت جیسا کہ وہ اُوپر کی بحث میں بھی درج کی جا چکی ہے یہ ہے:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۝ (سورہ نساء آیت ۷۰)

"یعنی جو لوگ اللہ اور اِس رسولؐ کی سچّی پَیروی اختیار کرتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ شامل ہیں جن پر خدا نے انعام کیا یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور صالح۔ اور یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے بہت اچھے ساتھی اور رفیق ہیں"۔

اب دیکھو کہ یہ آیت علیٰحدہ صورت میں بھی کس وضاحت کے ساتھ اعلان کر رہی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچّے متبعین کے لئے خدا کے سارے اِنعاموں کا رستہ کھلا ہے۔ یعنی وہ حسبِ استعداد اور علیٰ قدرِ مراتب نبی بھی بن سکتے ہیں، صدّیق بھی بن سکتے ہیں، شہید بھی بن سکتے ہیں اور صالح بھی بن سکتے ہیں۔ اور یہ وہ طبقات ہیں جن کی رفاقت ایک دوسرے کے لئے بڑی بابرکت اور پاکیزہ ہے۔ گویا اِس آیت کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اتنا بلند اور اتنا ارفع ہے کہ آپؐ کی پیروی اِنسان کو بڑے سے بڑے رُوحانی انعام کا

وارث بنا سکتی ہے۔ اور کوئی انعام ایسا نہیں جو آپؐ کے سچے متبع کی پہنچ سے باہر ہ۔ اس کے مقابل پر جب اللہ تعالیٰ دوسری آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ لم کے علاوہ باقی نبیوں کا ذکر کرتا ہے تو وہاں نبوّت کے انعام کا ذکر ترک کر کے صرف صدّیقوں اور شہیدوں کے ذکر پر ہی اکتفا فرماتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔

(سورۂ حدید آیت ۲۰)

”یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر سچا سچا ایمان لاتے رہے ہیں وہ خدا کے نزدیک حسبِ استعداد صدیق اور شہید کا درجہ پاتے رہے ہیں“۔

اِن دو آیتوں (یعنی سورۂ نساء کی آیت اور سورۂ حدید کی آیت) کے الفاظ اور مفہوم میں جو ں فرق پایا جاتا ہے وہ ہر عقلمند انسان کو اِس بات کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے کہ جہاں نہ نبیوں کے متبعین کے لئے صرف صدیق اور شہید بننے کا انعام کھلا تھا اور وہ اپنے نبی متبوع کی ی کی بنا پر نبوّت کا انعام نہیں پا سکتے تھے وہاں ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے ئے آپؐ کی شاگردی میں علیٰ قدرِ مراتب صدّیق اور شہید کے انعاموں کے علاوہ نبوّت کا انعام بھی ھلا ہے۔ **وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ مَن یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم۔**

مَعَ کے لفظ کی تشریح

اگر اس جگہ کسی شخص کو یہ خیال گذرے کہ سورۂ نساء والی آیت میں مَعَ (یعنی ساتھ) کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نبی نہیں بن سکتے بلکہ صرف نبیوں کی معیّت حاصل کر سکتے ہیں۔ تو یہ ایک سخت کوتاہ نظری کا اعتراض ہوگا۔ کیونکہ اوّل تو اِس آیت میں مَعَ کا لفظ نبیوں کے ساتھ استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ **اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ** کے الفاظ کے ساتھ استعمال ہوا ہے جن میں نبی اور صدیق اور شہید اور صالح سب شامل ہیں۔ پس اگر مع کے لفظ کی وجہ سے اس آیت کا یہ مطلب لیا جائے کہ ایک مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی

اور پیروی کی وجہ سے نبوّت کا انعام نہیں پا سکتا۔ بلکہ صرف نبیوں کی ظاہری معیّت حاصل کر سکتا ہے تو پھر اس کے ساتھ یہ بات بھی لازماً قبول کرنی ہوگی کہ نعوذ باللہ کوئی مسلمان منعم علیہ گروہ میں شامل ہی نہیں ہو سکتا۔ اور نبی بننا تو الگ رہا صدیق اور شہید اور صالح بھی نہیں بن سکتا اور ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات بالبداہت باطل ہے۔

علاوہ ازیں عربی زبان کے محاورہ کی رُو سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض اوقات مع کا لفظ مِنْ کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ خود قرآن مجید فرماتا ہے کہ:۔

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ O

(سورہ آل عمران آیت ۱۹۴)

”یعنی اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو بخش اور ہماری کمزوریوں کو دُور فرما اور ہمیں اپنے نیک بندوں کے ساتھ (یعنی نیک بندوں میں شامل کر کے) وفات دے“۔

اِس آیت میں جو مع الابرار (یعنی نیک بندوں کے ساتھ) کا لفظ آیا ہے اِس سے ہرگز یہ مُراد نہیں ہے کہ ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ وفات دے یعنی جب کوئی نیک آدمی مرنے لگے تو اُس وقت ہماری جان بھی قبض کر لے۔ بلکہ اِس جگہ مَعَ کے معنی یقیناً مِنْ کے ہیں۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں نیک بندوں میں شامل کر کے وفات دے اور ایسا نہ ہو کہ ہم گناہ کی حالت میں مریں۔ اِسی طرح مثلاً ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید ایک جگہ تو مِنْ کا لفظ استعمال کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ (سورۂ اعراف آیت ۱۲) ”یعنی ابلیس سجدہ کرنے والوں میں نہیں تھا“ اور دوسری جگہ اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے مَعَ کا لفظ استعمال کر کے فرماتا ہے۔ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ (سورۂ حجر آیت ۳۲) ”ابلیس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا“۔ اور اِس طرح گویا خود قرآن نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ بعض اوقات مَعَ کا لفظ مِنْ کے معنوں میں بھی استعمال ہو جایا کرتا ہے وَهُوَ الْمُرَادُ۔

الغرض مَعَ کے لفظ کا مِنْ کے معنوں میں استعمال ہونا عربی زبان میں اتنا عام ہے کہ کوئی

معمولی علم رکھنے والا انسان بھی اِس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اور حق یہ ہے کہ اِس قسم کا محاورہ ہر زبان میں ملتا ہے جیسا کہ مثلاً اُردو میں بھی کہتے ہیں کہ ”فلاں شخص مسلم لیگ کے ساتھ ہے“۔ اور اِس سے ہرگز یہ مُراد نہیں ہوتی کہ وہ لیگ سے الگ رہ کر صرف اس کی ظاہری اور جسمانی معیّت اختیار کئے ہوئے ہے۔ بلکہ اِس سے لازماً یہی مُراد ہوتی ہے کہ وہ مسلم لیگ کا ایک فرد ہے اور لیگ والوں میں شامل ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اِس زمانہ کے مولوی صاحبان نے قرآن مجید میں تدبّر کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے اور محض سطحی باتوں یا منقولی قصّوں میں اُلجھ کر بیٹھ گئے ہیں۔ ورنہ اگر وہ ذرا غور سے کام لیتے تو اُن کے لئے مَعَ کے لفظ پر اَڑنے اور ٹھوکر کھانے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

مَعَ کا لفظ اختیار کرنے میں حکمت

حق یہ ہے کہ مِنْ کو چھوڑ کر مَعَ کا لفظ اختیار کرنے میں ایک بڑی حکمت تھی اور وہ یہ کہ تا اِس آیت میں مِنْ اور مَعَ دونو کا مرکّب مفہوم پیدا کیا جائے۔ یعنی غرض یہ تھی کہ اس جگہ مَعَ کا لفظ ایک ہی وقت میں مَعَ اور مِنْ دونو کے معنی دے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جیسا کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَۃٌ یعنی ”رُوحوں کے بھی مختلف گروپ ہوتے ہیں۔“ اور ایک قسم کی رُوحیں اسی قسم کی رُوحوں کی طرف جھکتیں اور اُن کے ساتھ رابطہ اور اتحاد پیدا کرتی ہیں۔ پس اس جگہ مِنْ کا لفظ چھوڑ کر مَعَ کا لفظ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ تا اِس لطیف حقیقت کی طرف اشارہ کیا جائے کہ یہ انعام پانے والے لوگ نبیوں اور صدّیقوں اور شہیدوں میں شامل ہونے کے علاوہ اپنے اندر معیّت کا مفہوم بھی پیدا کریں گے۔ یعنی ہر طبقہ کے لوگوں کا آپس میں کامل اتحاد اور رابطہ اور اتصال ہوگا۔ اور وہ گویا جُنُوْدٌ مُجَنَّدَۃٌ کا نظارہ پیش کریں گے۔ چنانچہ اس غرض کے ماتحت آیت کے آخر میں حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا کے الفاظ رکھے گئے ہیں تا اِس روحانی رفاقت اور رابطہ اور اتحاد کی طرف اشارہ کیا جائے جو ہر منعم علیہ جماعت میں لازماً موجود ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔ اسی اُصول کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں فرماتے ہیں کہ

الانبیاء اخوة من علّات اُمّھاتھم شتّٰی و دینھم واحدٌ۔

(مسلم باب فضائل عیسیٰؑ)

"یعنی تمام نبی آپس میں ایسے بھائی بھائی ہیں کہ اُن کی مائیں تو جُدا جُدا ہیں مگر باپ ایک ہی ہے اور دین بھی ایک ہے"۔

پس آیت زیرِ غور میں بھی اِسی رُوحانی اِتّحاد کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مَعَ کا لفظ لایا گیا ہے تا مِنْ اور مَعَ کا مرکّب مفہوم پیدا کر کے آیت کے معنی میں وسعت پیدا کی جائے۔ مگر افسوس کہ اس زمانہ کے اکثر مولوی صاحبان قرآنی معارف اور غوامض سے بالکل کورے ہیں۔ اور سمندر میں غوطہ لگا کر اس کی گہرائیوں سے موتی نکالنے کی بجائے اس کی سطح کی جھاگ اور خس و خاشاک کو ہی جو خود اُن کی اپنی پیدا کردہ ہے، اپنے سینوں سے لگائے بیٹھے ہیں ورنہ اُنہیں نظر آتا کہ قرآن مجید کا ہر لفظ اور ہر حرف اپنے اندر نہایت وسیع اور گہرے معانی رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب قرآن مجید ایک عام لفظ کو چھوڑ کر اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ اختیار کرتا ہے تو اس تبدیلی میں بھی ایک بھاری حکمت مخفی ہوتی ہے **وَلَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ۔ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔**

اُمّتِ محمدیہ میں رسولوں کی آمد کا صریح وعدہ

اِس کے بعد مَیں ایک ایسی قرآنی آیت کو لیتا ہوں جس میں اُمّتِ محمدیہؐ میں صریح طور پر رسولوں کی آمد کا وعدہ دیا گیا ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے:-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ (سورۃ اعراف آیت ۳۶)

"یعنی اے بنی آدم اگر آئندہ تمہارے پاس تمہیں میں سے خدا کے رسول آئیں

> جو تم پر خدا کی آیات پڑھ کر سنائیں تو تم ہرگز انکار نہ کرنا بلکہ ایمان لے آنا کیونکہ
> جو لوگ رسولوں کی آمد پر تقویٰ اختیار کرتے اور اپنی اصلاح کرتے ہیں وہ خوف
> اور حُزن سے محفوظ ہو جاتے ہیں‘‘۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمام بنی آدم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اگر آئندہ کسی زمانہ میں تم میں تمہیں میں سے (کیونکہ اَب غیروں میں رسول مبعوث ہونے کا دروازہ بند ہو چکا ہے) کوئی رسول مبعوث ہو تو انکار نہ کرنا بلکہ خدا کا تقویٰ اختیار کر کے اپنی اصلاح کی فکر کرنا کیونکہ یہی تمہارے لئے خوف و حُزن سے نجات پانے کا رستہ ہے۔ اب دیکھو کہ یہ آیت کس صراحت اور وضاحت کے ساتھ اور کن زوردار الفاظ میں اُمّتِ محمدیہ میں حسبِ ضرورت رسولوں کی آمد کا دروازہ کھول رہی ہے۔ کاش لوگ اِن حقائق پر غور کریں۔

اور اگر اس جگہ کسی شخص کو یہ شبہ ہو کہ یہ آیت گذشتہ قوموں کے متعلق ہے نہ کہ آئندہ زمانہ کے متعلق تو وہ خود قرآن شریف کھول کر اِس آیت کے آگے پیچھے اچھی طرح نظر ڈال کر دیکھ سکتا ہے کہ کیا اس جگہ کسی گذشتہ قوم کے ذکر کا شائبہ تک بھی ہے؟ پھر اگر یہ ثابت ہو کہ یہ آیت آئندہ زمانہ کے لئے ہے نہ کہ کسی گذشتہ قوم کے لئے تو پھر ہر انصاف پسند انسان کا فرض ہے کہ وہ سوچے کہ کیا اس سے بڑھ کر اجراءِ نبوّت کا کوئی ثبوت ہوگا کہ قرآن شریف خود بہ بانگِ بلند فرما رہا ہے کہ اَے آدم کے بیٹو! ہوشیار ہو کر سُن لو کہ تم میں آگے چل کر بھی ہمارے رسول آسکتے ہیں۔ مگر وہ بہرحال تمہیں میں سے ہونگے اور تمہارے رسول کے تابع اور خوشہ چین رہیں گے۔ دوستوں اور بھائیو! خدا کے لئے دیکھو اور سُنو کہ دین کا معاملہ کوئی کھیل نہیں ہے۔ اس میں انتہائی سنجیدگی کے ساتھ سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔ پس خدارا قرآن شریف کی اِس آیت پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرو کہ کیا اس میں گذشتہ زمانہ کا ذکر ہے یا کہ آئندہ زمانہ کا؟ اور اگر آئندہ کا ذکر ہے تو کیا اِس میں رسولوں کی آمد کا وعدہ نہیں دیا گیا؟ اور پھر اگر یہ بات ثابت ہو کہ اِس آیت میں آئندہ رسولوں کا وعدہ دیا گیا ہے تو حق و صداقت کی خاطر اسے قبول کرو کیونکہ قرآن سے بڑھ کر کوئی ہدایت نہیں۔ اور قرآن کے انکار سے بڑھ کر کوئی شقاوت نہیں۔

اِمَّا کے لفظ کی تشریح

اور اگر کسی شخص کو یہ خیال گذرے کہ اِس آیت میں اِمَّا یعنی ''اگر'' کا لفظ رکھا گیا ہے اور جو بات ''اگر'' کے لفظ سے کہی جائے وہ یقینی نہیں ہوا کرتی بلکہ اس میں شک کا پہلو ہوتا ہے۔ تو یہ ایک جہالت کا شبہ ہوگا۔ کیونکہ اِس جگہ ''اگر'' کا لفظ نعوذ باللہ شک کے اظہار کے لئے نہیں رکھا گیا بلکہ اس حکمت کے ماتحت رکھا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک بہت سی نسلوں نے آنا تھا۔ پس اِمَّا یعنی ''اگر'' کا لفظ رکھ کر اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ آپؐ کے بعد ہر نسل کو آنے والے رسول کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ کیونکہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کس نسل میں آجائے۔ پس ''اگر'' کے لفظ میں شک کا اظہار مُراد نہیں۔ بلکہ ہر نسل کو ہوشیار کرنا مراد ہے۔ گویا کہ ہر نسل کو علیٰحدہ علیٰحدہ مخاطب کر کے کہا جارہا ہے کہ اگر تم میں آجائے یا اگر تم میں آجائے یا اگر تم میں آجائے۔ ورنہ اگر اِمَّا کے لفظ سے شک کا اظہار مُراد ہوتا یا اگر منشاء یہ ہوتا کہ کسی رسول نے آنا وانا تو ہے نہیں۔ لیکن بالفرض اگر کوئی آجائے تو تم مان لینا تو یہ نعوذ باللہ ایک لغو کلام بلکہ ایک کھیل بن جاتا جو قرآن کی شان سے بالکل بعید ہے۔ اور اگر یہ اعتراض ہو کہ اِس آیت میں تو رُسُل کا لفظ ہے جو جمع کی صورت میں استعمال ہوا ہے مگر اُمّتِ محمدیہؐ میں اس وقت تک صرف ایک ہی رسول آیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اے ہمارے جلد باز بھائیو! ابھی دنیا کی عمر ختم نہیں ہوئی۔ تمہیں کیا معلوم ہے کہ شاید آگے چل کر کوئی اور اُمّتی نبی بھی آجائے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک عام قاعدہ ہے اور ہر زبان میں پایا جاتا ہے کہ جہاں کوئی بات بطور اُصول کے بیان کرنی ہو تو وہاں بعض اوقات واحد کا صیغہ چھوڑ کر جمع کا صیغہ استعمال کر لیتے ہیں خواہ مُراد ایک ہی ہو اور پھر یہ خاص نکتہ بھی ضرور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں مختلف رسولوں کے بروزوں کا اجتماع ہوا ہے جیسا کہ آپؑ کے دعاوی کے تفصیلی مطالعہ سے ظاہر ہے لہٰذا آپؑ کی بعثت میں دراصل بہت سے رسولوں کی بعثت جمع ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآنی آیت وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ (یعنی مختلف رسول ایک ہی وقت میں اکٹھے کئے جائیں گے) میں اِشارہ کیا گیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ

ہمارے اِس مختصر مضمون میں اِن تصریحات کی زیادہ گنجائش نہیں ہے۔

آیت خاتم النبیین کا بلند نظریہ

اب مَیں اس معرکۃ الآراء آیت کی طرف آتا ہوں جو گویا ختم نبوّت کی بحث کا مرکزی نقطہ ہے اور دراصل یہی وہ آیت ہے جس کی غلط تشریح کی بناء پر ہمارے مخالفین نبوّت کے دروازہ کو بند قرار دیتے ہیں۔ مگر جیسا کہ ابھی ظاہر ہو جائے گا یہ آیت نبوّت کا دروازہ بند کرنے کی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بلند مقام پیش کر رہی ہے جسے گویا نبی تراش کہنا چاہیئے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:-

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

(سورہ احزاب آیت ۴۱)

"یعنی اے لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد (یعنی نرینہ اولاد) کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النّبیین ہیں"۔

آیت خاتم النبیین کا شانِ نزول

لیکن اس آیت کی تشریح پیش کرنے سے قبل اس کی شانِ نزول کا ذکر کرنا ضروری ہے تا یہ معلوم ہو کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کس بناء پر اور کس تاریخی پس منظر کے پیش نظر خاتم النبیین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ میں ہی تشریف رکھتے تھے کہ قضاءِ الٰہی سے آپؐ کی ساری نرینہ اولاد جو حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھی فوت ہو گئی۔ اِس پر بد باطن کفّارِ مکّہ نے آپؐ پر یہ طعن کیا کہ نعوذ باللہ آپؐ بے ثمر اور ابتر ہیں اور یہ کہ آپؐ کی وفات کے ساتھ آپؐ کا سارا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اِس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں کہ:-

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○

(سورہ کوثر)

> "یعنی اے محمدؐ! ہم نے تجھے عظیم الشان نعمتیں عطا کی ہیں۔ پس تو اِن انعاموں کی شکر گزاری میں خوب عبادت بجالا اور خدا کے رستہ میں بڑھ چڑھ کر قربانیاں پیش کر کیونکہ دُعاؤں اور قربانیوں کے نتیجہ میں تُو اَور ترقی کرے گا اور یقیناً تیرا دُشمن جو تجھے ابتر کہتا ہے وہ خود ابتر اور بے ثمر رہے گا"۔

اِس کے بعد جب مدینہ کو ہجرت ہو چکی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی حکم کے ماتحت اعلان فرمایا کہ مَیں نے جو اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا وہ اب اسلامی احکام کے ماتحت جائز نہیں رہا۔ اس لئے آئندہ میرے ساتھ زید کا کوئی جسمانی رشتہ نہ سمجھا جائے (سورۂ احزاب آیت ۵ تا ۷) تو اِس اعلان سے بدبخت کفّار نے ناجائز فائدہ اُٹھا کر پھر اپنے سابقہ طعن کو دہرایا کہ لڑکے تو پہلے ہی مر چکے تھے اب متبنّٰی کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا اور گویا خاکش بدہن ابتریّت مکمل ہو گئی۔ اس پر خاتم النبیّین والی آیت نازل ہوئی اور اس کے ذریعہ اعلان کیا گیا کہ بیشک خدائی مصلحت کے ماتحت محمد رسول اللہؐ کی نرینہ اولاد کوئی نہیں لیکن وہ خدا کا رسول ہے اور اس لحاظ سے وہ کثیر التعداد رُوحانی اولاد کا باپ ہے بلکہ عام رسولوں سے بھی بڑھ کر وہ خاتم النبیّین بھی ہے۔ اور اس کے پَروں کے نیچے نبی اور رسول پرورش پانے والے ہیں۔ پس وہ ہرگز ابتر اور بے ثمر نہیں بلکہ عظیم الشان رُوحانی سلسلہ کا بانی اور اوّلین وآخرین کا سردار ہے۔

آیت خاتم النبیّین کے دو امکانی معنی

یہ وہ پس منظر ہے جس میں آیت خاتم النبیّین کا نزول ہوا اور اس سے ظاہر ہے کہ اِس آیت میں خاتم النبیّین کا لفظ گویا اِس بلند آیت کی چوٹیوں میں سے بلند ترین چوٹی ہے مگر افسوس صد افسوس کہ اسی لفظ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع شان کے اظہار کے لئے استعمال کیا گیا ہے خدائی نعمتوں کے دروازہ کو بند کرنے والا قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس سے یہ غلط استدلال کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کی نہر ہمیشہ کے لئے خشک ہو گئی ہے۔ اور آپؐ کے بعد کوئی شخص خواہ وہ آپ کا شاگرد اور متبع اور خادم ہی ہو نبی نہیں بن سکتا۔ لیکن جیسا کہ ہم انشاء اللہ

ابھی ثابت کریں گے یہ تشریح ہرگز درست نہیں۔ کیونکہ نہ صرف عربی زبان کے قواعد کے مطابق بلکہ اِس آیت کے الفاظ اور اس آیت کی شانِ نزول کے پیشِ نظر بھی اِس آیت کے صرف دو ہی معنی بنتے ہیں اور وہ دو معنی یہ ہیں کہ:-

(۱) اے لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد یعنی نرینہ اولاد کے جسمانی باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہونے کے لحاظ سے مومنوں کے رُوحانی باپ ہیں بلکہ وہ نبیوں کی مہر ہیں اور اِس لحاظ سے گویا نبیوں کے لئے بھی بمنزلہ باپ کے ہیں۔ اور آئندہ کوئی نبی آپ کی تصدیقی مہر کے بغیر سچا نہیں سمجھا جاسکتا۔

یا

(۲) اے لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ رسول ہونے کے لحاظ سے مومنوں کے باپ ہیں اور رسول بھی اِس شان کے کہ اُن پر تمام کمالاتِ نبوّت ختم ہیں یعنی وہ افضل ترین نبی ہیں۔

لٰکِنْ کے لفظ کی تشریح

گو عربی محاورہ کے لحاظ سے یہ دونو معنی درست ہیں لیکن اوّل الذّکر معنی یقیناً زیادہ صحیح اور آیت کے الفاظ اور شان نزول کے لحاظ سے زیادہ درست ہیں۔ لیکن خواہ اِن دو امکانی معنوں میں سے کوئی معنی لئے جائیں بہرحال موجودہ زمانہ کے غیر احمدی علماء کا استدلال درست ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس آیت سے یہ بات کسی طرح مستنبط نہیں ہوسکتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوّت کا دروازہ کُلّی طور پر بند ہے۔

دراصل اندرونی شہادت کے لحاظ سے اس آیت کی کنجی دو لفظوں میں ہے۔ ان میں سے ایک لٰکِنْ کا لفظ ہے اور دوسرا خَاتَمْ کا لفظ ہے۔ اور اِن دو لفظوں کی صحیح تشریح کے بغیر آیت کے اصل معنی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ لٰکِنْ کا لفظ عربی قواعد کے مطابق وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں کسی جملہ یا فقرہ کے بعد اس کے مقابل کا مفہوم بیان کرنا مقصود ہو یا جہاں پہلے جملہ سے کوئی شبہ پیدا ہوتا

ہو اور لٰکِنْ کے ذریعہ دوسرا جملہ بیان کر کے اس شبہ کا ازالہ کیا جائے۔ مثلاً اگر کسی جملہ میں کوئی منفی مضمون بیان کیا گیا ہو تو لٰکِنْ کے بعد اس کے مقابلہ کا مثبت مضمون بیان کرتے ہیں۔ اور اگر کسی فقرہ میں کوئی مثبت مضمون مذکور ہو تو لٰکِنْ کے بعد اس کے مقابل کا منفی مضمون لاتے ہیں۔ اور چونکہ لٰکِن کا لفظ اُردو زبان میں بھی تقریباً عربی والے مفہوم میں ہی استعمال ہوتا ہے اس لئے اس جگہ اس کی تشریح کے لئے اُردو کی مثالیں بیان کرنا کافی ہیں۔ مثلاً اُردو میں کہتے ہیں کہ ”حمید بدن کا کمزور تو ہے لیکن بہادر ہے“۔ اب اِس جملہ میں بدن کے کمزور ہونے کے مقابل پر لیکن کا لفظ استعمال کر کے بہادر کا لفظ رکھا گیا ہے۔ اور اِس طرح جو شبہ بدن کے کمزور ہونے کے تصوّر سے پیدا ہوسکتا ہے کہ شاید حمید بہادر نہ ہو۔ اسے لیکن کے لفظ کے بعد بہادر کا لفظ استعمال کر کے دُور کیا گیا ہے۔ اِسی طرح مثلاً کہتے ہیں کہ ”سب لوگ اُٹھ گئے لیکن سعید نہیں اُٹھا۔“ اب اس جگہ سب لوگوں کے اُٹھ جانے سے یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا کہ شاید کوئی شخص بھی بیٹھا نہ رہا ہو تو اِس شبہ کو لیکن کے استعمال کے بعد دوسرا جملہ بول کر دُور کیا گیا اور بتایا گیا کہ گو باقی سب لوگ اُٹھ گئے ہیں لیکن سعید نہیں اُٹھا اور ابھی تک بیٹھا ہوا ہے۔ الغرض لیکن کا لفظ وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں کسی امکانی شبہ کا تدارک کرنا مقصود ہو یا کسی بات کے بعد اس کے مقابل کی بات بیان کرنی مدّنظر ہو۔ اس قسم کے استعمال کو عربی محاورہ میں استدراک کہتے ہیں اور لُغت کی ہر کتاب میں لکھا ہے کہ لٰکِنْ کا لفظ استدراک کے لئے آتا ہے۔

اب اچھی طرح غور کر کے سمجھ لو کہ اگر خاتم النبیین کے معنی نبیوں کو ختم کرنے والا کئے جائیں جیسا کہ ہمارے مخالفین کرتے ہیں تو پھر اِس آیت میں لکِن کا لفظ بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ اور یہ آیت نعوذ باللہ ایک مہمل کلام بن جاتی ہے۔ کیونکہ اِس صورت میں آیت کے معنی یہ بنتے ہیں کہ:-

> ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو میں سے کسی مرد کے باپ تو نہیں لیکن وہ نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔“

اب غور کرو کہ خدائے علیم و حکیم تو الگ رہا کیا کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی اِس قسم کا مہمل کلام کر سکتا ہے جس میں لیکن کے لفظ سے پہلے کا جملہ اور لیکن کے بعد کا جملہ ایک ہی مفہوم کے حامل

ہوں۔ اور سابقہ شبہ کو دُور کرنے کی بجائے اُسے اَور بھی زیادہ مضبوط کر دیا جائے۔ یہ تو اس قسم کا فقرہ بن جاتا ہے کہ ’’سارے لوگ اُٹھ گئے لیکن سعید بھی اُٹھ گیا۔‘‘ کیا کوئی سمجھ دار انسان ایسا بے معنی کلام کر سکتا ہے؟ کیا قرآن مجید جیسی فصیح و بلیغ کتاب اِس قسم کے مہمل جملہ کی حامل ہو سکتی ہے؟ خدارا غور کرو اور انصاف سے کام لیکر بتاؤ کہ کیا لٰـکِـنْ کا لفظ اِن معنوں کو برداشت کرتا ہے جو ہمارے مخالف بیان کرتے ہیں؟ اس کے مقابل پر جو معنی اِس آیت کے ہم کرتے ہیں اس میں لکِن کا لفظ پوری طرح مطابقت کھاتا ہے اور کوئی پیچیدگی نہیں رہتی کیونکہ ہمارے معنی یہ ہیں کہ:-

> محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ تو نہیں ہیں لیکن وہ مومنوں کے رُوحانی باپ ہیں بلکہ نبیوں تک کے رُوحانی باپ ہیں۔

اِن معنوں کے لحاظ سے لکِن کا لفظ اِس آیت کے مفہوم میں اِس طرح ٹھیک بیٹھتا ہے جس طرح کہ ایک اعلیٰ درجہ کی انگوٹھی میں اس کے صحیح ناپ کا نگینہ بیٹھا کرتا ہے اور کوئی رخنہ باقی نہیں رہتا۔

خَاتَم کے لفظ کی تشریح

اِس آیت میں دوسرا خاص لفظ خَاتَم کا ہے۔ یہ لفظ گو عام قرأت میں ت کی زبر سے درج ہے اور پاکستان کا ہر قرآنی نسخہ خواہ وہ احمدیوں کے ہاتھ میں ہے یا غیر احمدیوں کے ہاتھ میں اِس لفظ کو ت کی زبر سے ہی ظاہر کرتا ہے مگر یہ درست ہے کہ ایک شاذ قرأت میں ت کی زیر بھی آئی ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ خواہ کوئی سی صورت لے لی جائے اِس آیت سے نبوّت کا بند ہونا بہر حال کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جیسا کہ لُغت کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے ت کی زبر سے خاتَم کے معنی مُہر کے ہوتے ہیں چنانچہ لُغت کی مشہور کتاب تاج العروس میں لکھا ہے الخاتم مایوضع علی الطینۃ۔ یعنی خاتم کے معنی اُس مُہر کے ہوتے ہیں جو لاکھ یا مٹّی یا کاغذ وغیرہ پر لگائی جاتی ہے۔ جیسا کہ مثلاً حدیث سے پتہ لگتا ہے کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ کو تبلیغی خطوط بھجواتے ہوئے اُن خطوط پر اپنی تصدیقی مُہر ثبت کی تھی۔ اِس لحاظ سے آیت کے یہ معنی بنتے ہیں کہ:-

> ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے جسمانی باپ تو نہیں لیکن وہ رسول ہونے کے لحاظ سے مومنوں کے روحانی باپ ہیں بلکہ وہ نبیوں کی بھی مہر ہیں اور آئندہ وہی شخص سچّا نبی سمجھا جاسکتا ہے جسے آپؐ کی مُہر اور تصدیق حاصل ہو“۔

اب دیکھو یہ معنی کتنے صاف اور کتنے واضح ہیں۔ جسے ایک بچّہ بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ اور پھر دیکھو کہ اِن معنوں کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی بلند شان ثابت ہوتی ہے کہ آپؐ صرف عام رسول ہی نہیں بلکہ آپؐ کی مُہر نبی تراش ہے اور آپؐ کی کامل پیروی اور روحانی توجہ سے ایک شخص نبوّت کے مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اِس طرح آپؐ گویا نبیوں کے بھی روحانی باپ ہیں۔ الغرض اگر اِس آیت میں ایک طرف آپؐ کی جسمانی اولاد کی نفی کی گئی ہے تو دوسری طرف لٰکِن کا لفظ استعمال کر کے آپؐ کی روحانی اولاد کا اثبات کر دیا گیا ہے۔ اور پھر اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپؐ کے ہاتھ میں نبی گری کی مُہر دے کر آپؐ کو نبیوں کا بھی رُوحانی باپ قرار دے دیا گیا ہے۔ اِس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مجاز کے طور پر خَاتَم کے معنی انگوٹھی کے بھی ہوتے ہیں (تاج العروس) اور چونکہ انگوٹھی زینت کا موجب ہوتی ہے اِس لئے اِس لحاظ سے خاتم النبیین کے معنی ایسے وجود کے ہوں گے جو گویا جملہ انبیاء کے لئے موجبِ زینت ہے اور یہ معنی بھی اپنی جگہ بہت لطیف ہیں۔

خَاتِم کے لفظ کی دوسری قرأت

اب رہی لفظ خَاتِم کی دوسری قرأت جو شاذ کے طور پر ت کی زیر سے بیان ہوئی ہے۔ سو اگر غور کیا جائے تو اس کی رُو سے بھی ہرگز نبوّت کا ختم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اِس صورت میں لفظ خاتم النبیین کے صاف اور سیدھے معنی یہ بنتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت کے کمالات ختم ہیں یعنی آپؐ افضل ترین نبی ہیں نہ یہ کہ آپؐ نعوذ باللہ نبوّت کا انعام ہی ختم کرنے والے اور ایک بہتی ہوئی نہر کو بند کرنے والے ہیں۔ چنانچہ عربی لُغت کی مشہور کتاب اقرب الموارد میں لکھا ہے کہ **ختم اللہ لہ الخیر اتمّہ**۔ یعنی جب یہ کہا جائے کہ خدا تعالیٰ نے فلاں شخص کے لئے خوبیوں

کو ”ختم“ کر دیا تو اِس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اُنہیں کمال تک پہنچا دیا۔“ پھر اس بات کو تو سکول کے بچے بھی جانتے ہیں کہ جب مثلاً یہ کہا جائے کہ ”فلاں شخص پر مصوّری کا ہُنر ختم ہے“۔ تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ اس نے مصوّری کے ہُنر میں انتہائی کمال پیدا کیا ہے نہ یہ کہ اس کے بعد کوئی مصوّر پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ اِس قسم کے محاورے ہر زبان میں کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

بہر حال خاتِم کی ت کی زیر سے بھی آیت کے معنی بالکل صاف اور واضح ہیں جس میں کسی قسم کی مشکل پیش نہیں آتی۔ چنانچہ انہی معنوں کے لحاظ سے حضرت مولانا رومیؒ (وفات ۶۷۲ھ ہجری) اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں۔

بہرایں خاتم شداست او کہ بجود
مثلِ اُو نَے بُود نَے خواہند بُود

(مثنوی رومی دفتر ششم صفحہ ۶)

”یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام خاتم النبیین اِس بناء پر رکھا گیا ہے کہ نہ آپؐ سے پہلے کوئی نبی فیض رسانی اور کمالات میں آپؐ کا ہم مرتبہ ہوا ہے اور نہ آپؐ کے بعد ہو سکتا ہے“۔

آیت خاتم النبیین کے متعلق بحث کا خلاصہ!

خلاصہ کلام یہ کہ خواہ خاتم کا لفظ ت کی زبر سے سمجھا جائے جیسا کہ پاکستان اور ہندوستان اور دوسرے ممالک کے کروڑوں نسخوں میں ت کی زبر سے ہی لکھا جاتا ہے اور خواہ اسے ت کی زیر سے سمجھا جائے جیسا کہ بعض تفسیر کی کتابوں میں شاذ کے طور پر بیان ہوا ہے ہر دو صورت میں اِس آیت سے نبوّت کا بند ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہوتا بلکہ ت کی زبر سے خاتَم کے معنی نبیوں کی مہر کے ہیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیقی مُہر کے بغیر نبی نہیں بن سکتا۔ بلکہ وہی شخص نبی بن سکتا ہے جو آپؐ سے فیض یافتہ اور آپؐ کا شاگرد اور خادم ہو۔ اور ت کی زیر سے خاتِم کے معنی کمالاتِ نبوّت میں انتہائی کمال پیدا کرنے والے کے ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ افضل ترین نبی ہیں۔ اور آپؐ کے مقام کی بلندی کو کوئی دوسرا شخص نہیں پہنچ سکتا۔ اِس واضح تشریح کے مقابل پر ہمارے مخالفین کے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس سوال کا جواب خود اُن کے اُس ترجمہ سے ظاہر ہے جو وہ اِس آیت کا کرتے ہیں یعنی:-

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد کے جسمانی باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور ایسے نبی ہیں جس کے بعد نبوّت کا انعام بند ہو گیا ہے۔

کیا ان ادنیٰ اور پست معنوں کو اُن اعلیٰ اور ارفع معنوں سے کوئی دُور کی بھی نسبت ہے جو ہم نے اُوپر بیان کئے ہیں؟ ضِد کا معاملہ جُداگانہ ہے مگر ہر انصاف پسند انسان کا دِل بولے گا اور اس کے وجدان کی تاریں اس کے دِل کے دامن کو کھینچ کھینچ کر پکاریں گی کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان انہی معنوں میں ہے جو ہم نے لکھے ہیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

کرشمہ دامنِ دِل میکشد کہ جا ایں جا است

الغرض خاتم النبیین کی آیت نے بھی جو گویا ہمارے مخالفین کے نظریہ کا بنیادی پتھر سمجھا جاتا ہے ہمارے حق میں ہی ڈگری دی کیونکہ اس آیت سے بھی نبوّت کا دروازہ بند ہونے کی بجائے یہی ثابت ہوا کہ ہمارے آقا (فداہ نفسی) صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بلند مقام ہے کہ آپؐ کے شاگرد اور خادم بھی آپؐ کی قوّتِ قدسیہ کے طفیل اور آپؐ کی مُہر تصدیق کے ساتھ نبوّت کے کمالات حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ آپؐ خدا کے فضل سے افضل ترین نبی ہیں اور افضل ترین وجود کے نزول کے بعد تمام دوسرے وجود اس کے نیچے آجاتے ہیں۔ اور پھر یہ اس لئے ہے کہ آپؐ نعوذ باللہ ابتر نہیں بلکہ الکوثر کے مالک ہیں اور روحانی فیوض کا ہر چشمہ آپؐ کے مبارک وجود میں سے پھوٹتا ہے اور اوّلین وآخرین کی گردنیں آپؐ کے سامنے جھکتی ہیں۔ اسی لئے آپؐ فرماتے ہیں کہ انا سیّد ولد آدم ولا فخر۔ یعنی مَیں کُل نسلِ آدم کا سردار ہوں۔ مگر مجھے اِس پر فخر نہیں کیونکہ یہ سب میرے خدا کا فضل ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں:-

لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِيْ

(الیواقیت والجواہر مرتبہ امام شعرانی جلد ۲ صفحہ ۲۰)

''یعنی اگر اِس وقت موسیٰ اور عیسیٰ بھی زندہ ہوتے تو اُنہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا''۔

اللہ اللہ یہ کس شان کا نبی ہے اور اس کا قدم کس بلندی پر ہے کہ نہ صرف گذشتہ رسول بلکہ اِس زمانہ کا مثیلِ مسیحؑ بھی جس کے ہاتھ پر اسلام کے دوسرے دَور کا غلبہ مقدّر ہے اس کے خادموں کے زُمرہ میں کھڑے ہیں اور اس کی مقدّس مُہر اگلوں اور پچھلوں دونوں کی تصدیق کا کام دے رہی ہے!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

حدیث کی رُو سے مسئلہ ختمِ نبوّت کا حل

مسئلہ ختمِ نبوّت کے متعلق قرآن مجید کی رُو سے مختصر مگر خدا کے فضل سے جامع تبصرہ پیش کرنے کے بعد اب مَیں حدیث کی طرف آتا ہوں۔ جیسا کہ اِس رسالہ کے شروع میں بتایا جاچکا ہے کوئی حدیث خواہ بظاہر کتنے ہی اعلیٰ مقام پر فائز ہو قرآن مجید کے مقابل پر اسکا مقام بہرحال ظنّی ہے لیکن چونکہ مجھے اپنے مخالف خیال اصحاب کی تسلّی کرانی مقصود ہے اور اس مختصر سے رسالہ میں مفصّل بحث کی گنجائش بھی نہیں اس لئے مَیں اس جگہ مختلف حدیثوں کے متعلق صحیح اور ضعیف کی بحث میں نہیں جاؤں گا بلکہ دلیل کی خاطر ان سب حدیثوں کو جو اسجگہ بیان کی جائیں گی صحیح فرض کر کے ان کی مناسب تشریح پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ وَما توفیقی اِلّا باللّٰہ العظیم۔

سب سے پہلے مَیں اُن مثبت قسم کی حدیثوں کو لیتا ہوں جن کی رُو سے ہمارے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظلّی نبوّت کا رستہ کھلا ہونا ثابت ہوتا ہے یعنی جن سے یہ استدلال ہوتا ہے کہ گو ہمارے آقا (فداہ نفسی) کے بعد کوئی صاحبِ شریعت نبی نہیں آسکتا اور نہ ہی کوئی غیر تشریعی مستقل نبی آسکتا ہے۔ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے آزاد ہو کر براہِ راست نبوت کا انعام پایا ہو۔ لیکن اُمّتی نبی جس نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے فیض پایا اور آپؐ کے نُور سے نُور حاصل کیا ہو ضرور آسکتا ہے۔ اور ہم جماعت احمدیہ کے بانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اسی قسم کا ظلّی اور اُمّتی نبی یقین کرتے ہیں جس نے محض آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کی شاگردی اور پیروی میں نبوّت کا انعام پایا۔ بہرحال اس جگہ پہلے مثبت قسم کی حدیثوں کی بحث پیش کی جاتی ہے۔ اوراس کے بعد انشاء اللہ اسی اُصول پر ان منفی قسم کی حدیثوں کی تشریح پیش کی جائے گی جن سے ہمارے مخالفین بزعمِ خود یہ استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوّت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔

اگر ابراہیم ابنِ رسولؐ زندہ رہتا تو ضرور نبی بن جاتا!

اِس تمہیدی نوٹ کے بعد جو حدیث مَیں موجودہ بحث کے تعلق میں سب سے پہلے بیان کرنا چاہتا ہوں وہ ہمارے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ صاحبزادہ ابراہیم سے تعلق رکھتی ہے۔ ابراہیم جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے ۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے (طبری و زرقانی و تاریخ خمیس) اور چونکہ نبوّت کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا لڑکا تھا اور اس سے پہلے جو لڑکے حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے وہ سب کے سب فوت ہو چکے تھے اس لئے آپؐ کو صاحبزادہ ابراہیم کے ساتھ بہت محبت تھی۔ مگر قضائے الٰہی سے یہ بچّہ بھی سترہ اٹھارہ ماہ کے بعد فوت ہو گیا۔ طبعاً اُس کی وفات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا۔ اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لیکن آپؐ نے اس کے سِوا کچھ نہیں فرمایا کہ **اِنّا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون** "یعنی اے ابراہیم ہم تیری جدائی کی وجہ سے بہت مغموم ہیں"۔

اس کے ساتھ ہی آپؐ نے یہ بھی فرمایا:-

لوعاش ابراھیم لکان صدّیقًا نبیًّا۔ (ابن ماجہ کتاب الجنائز)

"یعنی اگر میرا یہ بچہ ابراہیم زندہ رہتا تو وہ ضرور صدّیق نبی بن جاتا"۔

صدیقًا نبیًّا کی مرکّب اصطلاح میں لطیف حکمت

اِس حدیث میں جو صدّیق نبی کی مرکّب اصطلاح استعمال ہوئی ہے اس میں صاحبزادہ ابراہیم کے درجہ کی بلندی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا

تو وہ اپنے اندر صدیقیت اور نبوّت دونوں کی برکات اور دونوں کے اوصاف جمع کرتا۔ چنانچہ قرآن مجید نے جہاں حضرت ادریس علیہ السلام کے لئے صدّیقاً نبیًّا کی مرکب اصطلاح استعمال کی ہے (اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ صرف حضرت ادریسؑ ہی ایک ایسے نبی ہیں جن کے متعلق یہ اصطلاح استعمال ہوئی ہے) وہاں ساتھ قرآن مجید نے فرمایا کہ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (سورہ مریم آیت ۵۸) "" یعنی ہم نے ادریسؑ کو ایک بلند مرتبہ والا نبی بنایا تھا"۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں یہ اِشارہ تھا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو وہ بھی بڑی بلند شان کو پہنچتا کیونکہ اس میں فطری طور پر بہت اعلیٰ قوٰی ودیعت کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ صِدِّيْقًا نَبِيًّا کے مرکّب الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشارہ بھی فرمایا ہے کہ جس طرح ایک صدّیق اپنے درجہ کے لحاظ سے نبی سے نیچے ہوتا ہے اسی طرح اگر ابراہیم نبی بنتا تو وہ بھی اپنے علوِّ مرتبت کے باوجود میری شریعت کے تابع اور میرا خوشہ چین ہی رہتا۔ یعنی بالفاظِ دیگر ظِلّی اور اُمّتی نبی بنتا نہ کہ صاحبِ شریعت یا مستقل نبی۔

الغرض اِس لطیف حدیث میں جو صحاحِ ستہ کی مشہور کتاب ابنِ ماجہ میں درج ہے ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت صاف اور صریح الفاظ میں یہ فرمایا ہے کہ اگر میرا بچہ ابراہیم زندہ رہتا تو وہ ضرور نبوّت کے مقام کو پہنچ جاتا۔ اِس واضح ارشاد کے بعد ہمارے مخالفین کے لئے صرف دو ہی رستے کھلے ہیں۔ (۱) یا تو وہ یہ کہیں کہ نعوذ باللہ خدا نے ابراہیم کو اس لئے وفات دے دی کہ وہ کہیں بڑا ہو کر نبی نہ بن جائے۔ مگر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک بالکل لغو اور بیہودہ بات ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ خدا نے نعوذ باللہ ابراہیم کو بھول کر دنیا میں بھیج دیا تھا لیکن جب اسے یہ بات یاد آئی کہ مَیں تو اپنے رسول کو خاتم النبیین قرار دے چکا ہوں تو اس نے فوراً حضرت ابراہیم کو وفات دیکر یہ قصّہ ختم کر دیا۔ کیا اِس سے بڑھ کر کوئی غیر معقول تشریح اس حدیث کی ہو سکتی ہے؟ (۲) دوسرا رستہ یہ ہے کہ ہمارے مخالف خدا کا خوف کھا کر اور اپنی ضد چھوڑ کر اِس بات کو قبول کریں کہ آیت خاتم النبیین کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں نبی آ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ آیت صرف تشریعی اور مستقل نبوّت کو روکتی ہے۔ غیر تشریعی ظِلّی نبوّت کو ہرگز نہیں روکتی۔

صاحبزادہ ابراہیم آیت خاتم النبیین کے نزول کے کئی سال بعد پیدا ہوئے تھے

اِس حدیث کے تعلق میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ آیت خاتم النبیین ۵ھ ہجری میں نازل ہوئی تھی۔ (ابن ہشام طبری و تاریخ خمیس) مگر صاحبزادہ ابراہیم کی وفات اس کے چار پانچ سال بعد ۹ھ یا ۱۰ھ ہجری میں ہوئی۔ (طبری و زرقانی)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لو عاش لکان صِدّیقاً نبیًّا (یعنی اگر ابراہیم زندہ رہتا تو ضرور نبی بن جاتا) کے الفاظ فرمائے تو خاتم النبیین والی آیت اِس سے پانچ سال پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ خدا کی طرف سے ختمِ نبوّت کا ارشاد آ چکا ہے مگر باوجود اِس کے آپؐ نے یہ الفاظ فرمائے کہ ”اگر ابراہیم زندہ رہتا تو ضرور نبی بن جاتا“۔ یہ اس بات کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے کہ آپؐ کے علم میں خاتم النبیین والی آیت حضرت ابراہیم کے نبی بننے کے رستہ میں ہرگز روک نہیں تھی۔

اب دیکھو کہ یہ ایک کیسی صاف اور واضح حدیث ہے جو ختمِ نبوّت کے باوجود اُمّتِ محمدیہؐ میں نبوّت کا دروازہ کھول رہی ہے۔ کاش ہمارے مسلمان بھائی اِس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں! دوستو خدا کے لئے سوچو اور غور کرو کہ آیت خاتم النبیین اُتر چکی ہے اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ختمِ نبوّت کے تاج سے مزیّن کیا جا چکا ہے۔ مگر پھر بھی جب اس کے کئی سال بعد آپؐ کا بچہ ابراہیم فوت ہوتا ہے تو آپؐ فرماتے ہیں کہ:-

”اگر میرا یہ لڑکا ابراہیم زندہ رہتا تو وہ ضرور ہی نبی بن جاتا۔“

اِس حدیث کے متعلق حضرت مُلّا علی قاریؒ کی لطیف تشریح

اِس سے کیا نتیجہ نکلا؟ اس کے جواب میں اگر آپ لوگ ہماری نہیں سُنتے تو فرقہ حنفیہ کے جلیل القدر امام حضرت ملّا علی بن محمدؐ سلطان القاری (وفات ۱۰۱۴ھ ہجری) کی سُنیں جو فرماتے ہیں:-

لو عاش ابراھیم و صار نبیًّا لکان من اتباعہٖ۔۔۔۔ فلا یناقض قولہٗ تعالیٰ

خاتم النبیین اذ المعنیٰ انّہٗ لایأتی نبیٌّ بعدہ ینسخ ملّتہ ولم یکن فی اُمّتہٖ۔

(موضوعاتِ کبیر صفحہ ۶۶،۶۷)

"یعنی اگر ابراہیم زندہ رہتا اور نبی بن جاتا تو پھر بھی اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں ہی رہنا تھا تو اس صورت میں اس کے نبی بننے سے آیت خاتم النبیین کے مفہوم میں کوئی رخنہ نہ پیدا ہوتا۔ کیونکہ خاتم النبیین کے صرف یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپؐ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپؐ کی اُمّت میں سے نہ ہو"۔

کسی نبی کے "نہ آنے" اور "نہ آسکنے" میں باریک فرق

اِس موقع پر بعض جلد باز لوگ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ حضرت مُلّا علی قاری نے یہ جواب صرف امکانی رنگ میں دیا ہے ورنہ اُن کا ذاتی عقیدہ یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اِس اعتراض کے متعلق اُصولی رنگ میں یاد رکھنا چاہئے کہ اوّل تو حضرت مُلّا علی قاری کی طرف سے ایسے صریح اور واضح اظہار کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ اُن کا ذاتی عقیدہ کچھ اور تھا ایک ایسا بعید القیاس دعویٰ ہے جسے کسی قطعی دلیل کے بغیرہ ہرگز قبول نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جو حوالہ حضرت مُلّا علی قاری کا اُوپر درج کیا گیا ہے اس کے شروع میں خود حضرت مُلّا صاحب نے اپنے ہاتھ سے ایسے الفاظ بڑھا دیئے ہیں جن سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اُن کا ذاتی عقیدہ بھی یہی تھا جو اُوپر لکھا گیا ہے نہ کہ اس کے خلاف۔ چنانچہ اُن کے پُورے الفاظ یہ ہیں:-

قُلت و مع ھٰذا لو عاش ابراھیم وصار نبیًّا لکان من اتباعہٖ.....فلا یناقض قولہٗ تعالیٰ خاتم النبیین۔ (موضوعات صفحہ ۶۷)

"یعنی میں کہتا ہوں ("مَیں کہتا ہوں" کے الفاظ ملاحظہ ہوں) کہ باوجود اُن مختلف اقوال کے جو اس مسئلہ کے متعلق کہے گئے ہیں اگر ابراہیم نبی بن جاتا تو

اُس نے پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متّبعین میں ہی رہنا تھا۔ پس اس صورت میں بھی ابراہیم کا نبی بننا خدائی ارشاد خاتم النبیین کے خلاف نہ ہوتا''۔

اب کیا ''مَیں کہتا ہوں'' کے الفاظ کی موجودگی میں کوئی شخص حضرت مُلا صاحب کے ذاتی عقیدہ کے متعلق شبہ کر سکتا ہے؟

لیکن اگر بالفرض یہی صورت ہو کہ حضرت مُلّا علی قاریؒ نے یہ خیال محض امکانی رنگ میں بیان کیا ہو تو پھر بھی ہماری مندرجہ بالا دلیل بہر حال قائم رہتی ہے کیونکہ اس جگہ سوال یہ نہیں کہ عملاً کسی نبی کے آنے یا نہ آنے کے متعلق حضرت مُلّا صاحب موصوف کا ذاتی خیال کیا تھا بلکہ سوال یہ ہے کہ وہ حدیث لوعاش ابراہیم لکان صدّیقًا نبیًّا کے معنی کیا سمجھتے تھے۔ اور یہ کہ آیت خاتم النبیین کی موجودگی میں اُن کا عقیدہ کسی غیر تشریعی اُمّتی نبی کے آسکنے یا نہ آسکنے کے متعلق کیا تھا؟ گویا اس جگہ کسی نبی کے ''آنے یا نہ آنے'' کا سوال نہیں بلکہ ''آسکنے یا نہ آسکنے'' کا سوال ہے۔ اور اس کے متعلق حضرت مُلّا علی قاری کا یہ حوالہ جو اُوپر درج کیا گیا ہے ایسا صریح اور ایسا واضح ہے کہ اس میں قطعاً کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے صاف فرما دیا ہے کہ اگر حدیث لوعاش ابراہیم لکان صدّیقًا نبیًّا کے مطابق حضرت ابراہیم نبی بن جاتے تو پھر بھی اُن کا نبی بننا ہرگز آیت خاتم النبیین کے خلاف نہ ہوتا کیونکہ حضرت ملّا صاحبؒ کے نزدیک اِس آیت کے صرف یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی صاحب شریعت یا غیر اُمّتی نبی نہیں آسکتا نہ یہ کہ کوئی غیر تشریعی اُمّتی نبی بھی نہیں آسکتا۔ پس اگر بالفرض (اور میں یہ بات صرف فرض کے طور پر کہہ رہا ہوں) حضرت ملّا علی قاری کا ذاتی خیال یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ''آئے گا'' تو پھر بھی ہمارے استدلال میں ہرگز کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوتا کیونکہ حدیث لوعاش ابراہیم لکان صدّیقًا نبیًّا کے ماتحت حضرت ملّا صاحب صاف اقرار فرما رہے ہیں کہ باوجود آیت خاتم النبیین کے اُمّتِ محمدیہؐ میں غیر تشریعی اُمّتی نبی آسکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس جگہ ہماری بحث امکانِ نبوّت میں ہے نہ کہ وقوعِ نبوّت میں جو ایک بالکل جداگانہ موضوع ہے۔ مَیں اُمید کرتا ہوں کہ ہمارے ناظرین اِس باریک فرق کو جو مَیں نے اس جگہ بیان کیا ہے غور کے ساتھ سمجھ کر اِس شبہ

سے بچنے کی کوشش کریں گے جو اِس موقع پر بعض کم فہم اصحاب یا دھوکا دینے والے بے اُصول لوگ پیدا کیا کرتے ہیں۔ اور یہی اُصولی تشریح بعض دوسرے بزرگانِ دین کے اقوال کے متعلق بھی مدِ نظر رکھنی چاہئے جن کے متعلق بعض خودغرض اصحاب شُبہ پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ اِس اُمّت کے افضل ترین انسان ہیں سوائے اِس کے کہ آئندہ کوئی نبی پیدا ہو جائے

دوسری حدیث جو مَیں اِس جگہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مشہور قول پر مشتمل ہے۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

ابوبکر افضل هٰذه الأُمّة الّا ان يكون نبیؐ۔

(دیلمی بحوالہ کنوز الحقائق مرتبہ امام منادی طبع مصر صفحہ ۷)

"یعنی ابوبکر میری اُمّت میں سب سے افضل درجہ رکھتا ہے سوائے اِس کے کہ آئندہ کوئی نبی پیدا ہو جائے"۔

اور ایک دوسری حدیث میں آپؐ فرماتے ہیں:-

ابوبکر خير الناس الّا ان يكون نبیؐ۔

(طبرانی کبیر و کامل ابن عدی بحوالہ جامع الصغیر مرتبہ امام سیوطی طبع مصر صفحہ ۵)

"یعنی ابوبکر اِس اُمّت کا بہترین انسان ہے سوائے اِس کے کہ بعد میں کوئی نبی پیدا ہو جائے"۔

یہ دو حدیثیں جو ایک ہی مفہوم کی حامل ہیں اور حدیث کی تین مختلف کتابوں سے لی گئی ہیں کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ اِن میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اور کیسے صاف الفاظ میں فرماتے ہیں کہ میری اُمّت میں ابوبکرؓ کا درجہ سب سے بلند ہے ہاں اگر بعد میں کوئی نبی پیدا ہو جائے تو اَور بات ہوگی۔ کیونکہ ایک

نبی کا درجہ بہر حال ایک غیر نبی سے افضل ہوتا ہے۔ یہ حدیثیں اپنے الفاظ اور اپنے مفہوم میں اتنی صریح اور اتنی واضح ہیں کہ اُن کے متعلق کسی شُبہ کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ اور پھر یہ حدیثیں ہماری بنائی ہوئی نہیں ہیں بلکہ سینکڑوں سال سے دنیائے اِسلام میں شائع اور متعارف چلی آتی ہیں۔ اور اِن حدیثوں کونقل کرنے والے بھی مسلمانوں کے دو بڑے پائے کے بزرگ یعنی امام مناوی اور امام سیوطی ہیں۔ اور پھر جو ترجمہ ہم نے اِجگہ اِن حدیثوں کا کیا ہے وہ بھی عربی قواعد کے مطابق بالکل درست اور صحیح ہے جسے ہر عربی دان شخص خود آسانی کے ساتھ چیک کرسکتا ہے۔ بیشک اگر اِن حدیثوں میں نبی کا لفظ نبیًّا کی صورت میں منصوب ہوتا تو اس کے یہ معنی ہوتے کہ:-

"ابوبکرؓ میری اُمّت میں افضل ترین انسان ہے سوائے اِس کے کہ وہ بعد میں خود نبی بن جائے"۔

مگر اس صورت میں یہ عبارت ایک بالکل مہمل اور بے معنی کلام بن جاتی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ دونو صورتوں میں حضرت ابوبکرؓ نے ہی افضل رہنا تھا۔ اور اِس طرح اِس حدیث میں اِلّا (یعنی سوائے اس کے کہ) کے لفظ کا استعمال بالکل غیر ضروری بلکہ غلط قرار پاتا ہے۔ بہر حال جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں اور ہر شخص اصل کتابیں دیکھ کر خود تسلّی کرسکتا ہے۔ اِس حدیث میں نبیٌّ کا لفظ مرفوع صورت میں استعمال ہوا ہے نہ کہ منصوب صورت میں۔ اور حدیث کا صحیح ترجمہ یہی ہے کہ:-

"ابوبکرؓ میری اُمّت کا افضل ترین انسان ہے سوائے اِس کے کہ آئندہ کوئی نبی پیدا ہوجائے"۔

اب دیکھو کہ یہ حدیث کتنی واضح اور کتنی صاف ہے مگر جو قوم دیکھنے کیلئے تیار نہ ہو اُسے کس طرح دکھایا جائے اور جو انسان سُننے کے لئے تیار نہ ہو اُسے کس طرح سُنایا جائے۔ اور جو شخص سمجھنے کیلئے تیار نہ ہو اُسے کس طرح سمجھایا جائے؟ قرآن کس افسوس کے ساتھ کہتا ہے کہ **اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا۔ فَاِنّا للّٰہ وَاِنّا الیہ راجعون۔**

آخری زمانہ میں پھر دوبارہ منہاجِ نبوّت کا دَور مقدر تھا

اَب میں ایک ایسی حدیث پیش کرتا ہوں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے مختلف دَوروں کا ذکر فرمایا ہے اور وضاحت فرمائی ہے کہ جس طرح اسلام کا آغاز نبوّت سے ہوا اور اس کے بعد نبوّت کے منہاج پر خلافت قائم ہوئی اسی طرح ایک لمبے زمانہ کے بعد جو درمیانی عرصہ میں گذرے گا آخری ایّام میں پھر دوبارہ نبوّت ہی کے منہاج پر خلافت قائم ہوگی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

تکون النبوّۃ فیکم ماشاء اللہ ان تکون ثُمَّ یرفعھا اللّٰہ تعالیٰ ثُمَّ تکون خلافۃ علٰی منہاج النّبوّۃ ماشء اللّٰہ ان تکون ثُمَّ یرفعھا اللہ تعالیٰ ثُمَّ تکون ملکاً عاضًا فتکون ماشاء اللّٰہ ان تکون ثُمَّ یرفعھا اللّٰہ تعالیٰ۔ ثُمَّ تکون ملکاً جبریۃ فتکون ماشاء اللّٰہ ان تکون ثمّ یرفعھا اللّٰہ تعالیٰ۔ ثمّ تکون خلافۃ علٰی منہاج النّبوۃ ثمّ سکت۔ (مسند احمدؒ جلد ۵ صفحہ ۴۰۴)

”یعنی اے مسلمانو تم میں یہ نبوّت کا دَور اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ خدا چاہے گا کہ وہ قائم رہے۔ اور پھر یہ دَور ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد خلافت کا دَور آئے گا جو نبوّت کے طریق پر قائم ہوگی۔ (اور گویا اس کا تتمّہ ہوگی) اور پھر کچھ وقت کے بعد یہ خلافت بھی اُٹھ جائے گی۔ اس کے بعد کاٹنے والی (یعنی لوگوں پر ظلم کرنے والی) بادشاہت کا دَور آئے گا۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ دَور بھی ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد جبری حکومت کا دَور آئے گا جو خواہ ظلم کے طریق سے اجتناب کرے۔ مگر وہ جمہوریت کے اُصول کے خلاف ہوگی اور پھر اس رنگ کی حکومت بھی اُٹھ جائے گی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ خلافت کا دَور آئے گا جو ابتدائی دَور کی طرح نبوّت کے طریق پر قائم ہوگی۔ اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے“۔

اسلام کی لہردار تاریخ کا خلاصہ

یہ لطیف حدیث اسلام کی لہردار تاریخ کا ایک دلچسپ اور مکمّل خلاصہ پیش کر رہی ہے۔ اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال حکمت سے ہر دَور کا علیٰحدہ علیٰحدہ نقشہ کھینچنے کے لئے ایسے نادر الفاظ چنے ہیں جنہوں نے حقیقۃً دریا کو کوزے میں بند کر کے رکھ دیا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے نبوّت کا دَور ہے جو گویا اِس سارے نظام کا مرکزی نقطہ ہے۔ اِس کے بعد خلافت کا دَور آئے گا۔ مگر خلافت سے مُراد عام خلافت نہیں جس میں کہ بعض اوقات سینہ زوری سے جابر حکمرانوں کا نام بھی خلیفہ رکھ دیا جاتا ہے بلکہ ’’خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ‘‘ مراد ہے۔ یعنی وہ خلافت جو ایک سچّے نبی کے بعد اس کے کام کی تکمیل کے لئے خدا کی طرف سے قائم کی جاتی ہے۔ اور گویا نبوّت کا تتمّہ ہوتی ہے (جیسا کہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافت قائم ہوئی) اِس کے بعد آپؐ نے ملکاً عاضًا کا دَور بیان فرمایا ہے جو گویا کاٹنے والا اور ظلم ڈھانے والا دَور تھا۔ یہ وہ دَور تھا جس میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور خاندانِ نبوّت کے کئی دوسرے مقدّس افراد ظلم کا شکار ہو گئے۔ اور اسی دَور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عالی مرتبہ نواسہ حضرت عبد اللہ بن زبیر بھی شہید کئے گئے اور یہی وہ دَور تھا جس میں حجّاج بن یوسف کی خون آشام تلوار نے ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو تہِ تیغ کر کے رکھ دیا۔ پس لاریب یہ دَور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں ملکاً عاضاً کا پورا پورا نمونہ تھا۔ جس میں گویا ظالموں کے خونی دانت پاکبازوں کا گوشت کاٹنے اور بوٹی بوٹی کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اس کے بعد حدیث زیرِ نظر میں ملکاً جبریّۃً کا دَور بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ایسی بادشاہت جس میں خواہ سابق دَور کی طرح انتہائی ظلم وستم کا رنگ نہ ہو مگر وہ اسلام کے جمہوری نظام پر قائم نہیں ہو گی۔ بلکہ جبری اور استبدادی رنگ کی حکومت ہو گی۔ جس میں حاکم لوگ پبلک کی صحیح نمائندگی کے بغیر محض ورثہ کی بناء پر یا طاقت کے زور سے حکمران بن جایا کریں گے۔ چنانچہ اسلام میں یہ جبری دَور حکومت صدیوں تک چلا۔ اور

خواہ اس میں یزید بن معاویہ اور حجاج بن یوسف کے سے ظلم نہیں ہوئے مگر بہر حال وہ ایک جبری اور استبدادی رنگ کا دَور تھا۔ جس میں صحیح اسلامی نظام مفقود ہو چکا تھا۔

نبوّت اور خلافت کا دَورِ ثانی

اِس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر دوبارہ خلافت علیٰ منہاج النبوّت کا دَور قائم ہو جائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں میں سے کسی بندۂ درگاہ کو ظلّی اور بروزی نبوّت کے خلعت سے نواز کر اس کے ذریعہ پھر صحیح خلافتِ اسلامی کا سلسلہ شروع کر دیگا۔ اب دیکھو کہ یہ لطیف حدیث اپنی دوسری کثیر التعداد لطافتوں کے ساتھ کیسے صریح اور واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں یہ اعلان کر رہی ہے کہ جس طرح اسلام کا آغاز خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ (یعنی نبوّت کے طریق پر خلافت) سے ہوا اسی طرح آخری زمانہ میں دوبارہ اسی رنگ کی خلافت قائم ہوگی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں میں سے ایک ظلّی نبی مبعوث ہوگا اور اس کے قدموں پر دوبارہ خلافت کا دَور دورہ شروع ہو جائے گا۔ اور راوی بیان کرتا ہے کہ ثُمّ سکت ”یعنی اس قدر بیان فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے“۔ اِس خاموشی میں یہ اشارہ کرنا مقصود تھا کہ اِس دوسری خلافت کے ساتھ اِسلام کی تاریخ کا پہلا دَور ختم ہو کر ایک نیا دَور شروع ہو جائے گا۔ اور یہ نیا دَور وہی ہے جو اَب خدا کے فضل سے بانی سلسلہ احمدیہ کی بعثت کے ساتھ شروع ہو چکا ہے۔ چنانچہ حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ میں جہاں یہ حدیث نقل کی گئی ہے وہاں اس کے بین السطور یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:-

الظّاھر انّ المراد بہٖ زمن عیسٰی و المھدی۔

(مشکوٰۃ طبع اصح المطابع کراچی صفحہ ۴۶۱)

”یعنی یہ بات ظاہر ہے کہ خلافت کے اِس دوسرے دَور سے مسیح اور مہدی کا زمانہ مُراد ہے“۔

یہ اُن لوگوں کی شہادت ہے جن کی اولاد (خدا اسے ہدایت دے) اِس وقت گویا ہمیں

ملیامیٹ کرنے کے درپے ہے۔ الفضل ماشهدت به الاعداء۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز ہرگز اِس خلافت کے مصداق نہیں ہو سکتے

اِس جگہ اگر کسی کے دِل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ بعض لوگوں نے اِس حدیث میں خلافت کے دوسرے دَور کو حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی پر چسپاں کیا ہے تو یہ شبہ ایک نادانی کا شُبہ ہوگا۔ کیونکہ اوّل تو خلافت علیٰ منہاج النبوّت کے الفاظ ایک باقاعدہ نظام اور باقاعدہ دَور کے متقاضی ہیں۔ حالانکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت صرف دو سوا دو سال رہ کر ختم ہوگئی تھی (طبری و تاریخ کامل ابن اثیر) تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر سی انفرادی خلافت کو ایک دَور اور نظام کے طور پر پیش فرمانا تھا؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ پھر ہر تاریخ دان یہ بھی جانتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت ملکاً عاضاً اور ملکاً جبریّۃً (یعنی کاٹنے والی حکومت اور جبری حکومت) کے دَوروں کے درمیان اور اُن کے اندر گھری ہوئی واقع تھی نہ کہ اُن کے بعد۔ کیونکہ حضرت عُمر بن عبدالعزیز کے بعد بھی جبری حکومت کا دَور چلتا رہا۔ لیکن زیرِ نظر حدیث صریح طور پر خلافت کے دوسرے دَور کو جبری حکومت کے دَور کے بعد بیان کر رہی ہے۔ جو اِس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ خلافت کے اِس دَور سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت مُراد نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں ثم سکت (یعنی اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے) کے الفاظ بھی قطعی طور پر ثابت کر رہے ہیں کہ یہاں اُس دَورِ خلافت کا ذکر ہے جس کے بعد اسلام کی تاریخ نے گویا ایک پلٹا کھانا تھا۔ اور ایک نئے انقلابی زمانہ کی بنیاد رکھی جانی تھی۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت سے ہرگز کسی نئے زمانہ کی بنیاد قائم نہیں ہوئی۔ پس جس طرح بھی دیکھا جائے اِس حدیث کو بنو اُمیّہ کے خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز پر چسپاں کرنا ایک سینہ زوری اور زبردستی کے فعل سے زیادہ نہیں۔ اور جس نے بھی ایسا سمجھا ہے اُس نے ایک خطرناک اجتہادی غلطی کھائی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اِس حدیث میں جو ہم نے اُوپر درج کی ہے صریح طور پر آخری زمانہ میں مسلمانوں کی خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اور یہ خلافت اس بات کی متقاضی ہے کہ

کوئی ظلّی اور اُمّتی نبی پیدا ہو کر خلافت حقّہ کی بنیاد قائم کرے۔ وھوا المرادُ۔

اِس حدیث میں نبوّت کے ذکر کو کیوں مخفی رکھا گیا؟

بعض لوگ جو زیادہ تدبّر کا مادّہ نہیں رکھتے لیکن اعتراض کی طرف جلدی قدم اُٹھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ اِس حدیث کے متعلق یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ اس حدیث میں آخری زمانہ کے متعلق صرف خلافت کا ذکر ہے۔ نبوّت کا کوئی ذکر نہیں۔ اِس لئے اس سے نبوّت کے متعلق استدلال کرنا درست نہیں۔ مگر یہ اعتراض بھی بالکل بودا اور کمزور ہے کیونکہ ہر شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ جب حدیث میں خلافت علیٰ منہاج النبوّت کے الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں۔ یعنی ''نبوّت کے طریق پر خلافت'' یا بالفاظِ دیگر ''نبوّت کے بعد آنے والی خلافت'' تو لازماً اس قسم کے خلافت کے ذکر میں نبوّت کا ذکر خود بخود آ جاتا ہے۔ اور علیٰحدہ ذکر کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ جب نبوّت ہی نہ ہوگی تو خلافت جو نبوّت کا تتمّہ ہے کس طرح قائم ہو جائیگی؟ علاوہ ازیں ہمارے مخالفین نے اِس بات پر بھی غور نہیں کیا حالانکہ موجودہ بحث میں یہ ایک بنیادی امر ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے بانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہرگز ہرگز کسی علیٰحدہ نبوّت کا دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایسی ظلّی نبوّت کا دعویٰ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا حصّہ اور اسی کا عکس ہے۔ اس صورت میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس جگہ نبوت کے علیٰحدہ ذکر کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ دراصل یہ اسی قسم کی صورت ہے جو قرآن مجید نے سورۂ جمعہ میں اختیار کی ہے۔ جس کا ذکر ہم اُوپر کر آئے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:-

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا....وَآخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ

(سورۃ جمعہ آیت ۳، ۴)

''یعنی خدا نے عربوں میں اپنا ایک رسول بھیجا ہے....اور وہ ایک بعد میں آنے والی قوم میں بھی جو انہی کے ساتھ کی ہے اُس رسول کو (اس کے ایک ظِلّ اور بروز کے ذریعہ) دوبارہ ظاہر فرمائے گا''۔

اب دیکھو کہ اس آیت میں کس طرح صرف صحابہ کرام کی مشابہت کے ذکر پر اکتفا کر کے ایک بروزِ محمدیؐ کے ظہور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح حدیث زیرِ نظر میں اسلام کے آخری دَور کے بیان میں نبوّت کے ذکر کو لفظاً ترک کر کے صرف خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کے اشارہ پر اکتفا کیا گیا ہے تا آیت آخَرِینَ مِنۡھُمۡ کی طرح لوگوں کی توجہ اس لطیف حقیقت کی طرف مبذول کرائی جائے کہ آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا نبی کوئی علیٰحدہ نبی نہیں ہوگا۔ بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خادم اور آپؐ ہی کا شاگرد اور آپؐ ہی کا ظل ہوگا۔ کیونکہ خاتم النبیینؐ کے ظہور کے بعد دنیائے دین میں کسی غیر کے لئے گنجائش باقی نہیں رہی۔ بلکہ اب صرف ہاں سچ مچ صرف محمد رسول اللہؐ ہی کا دَور دَورہ ہے اور آپؐ کے بعد جو بھی آئے گا خواہ وہ نبوّت کے کمال کو پہنچے وہ بہرحال محمد رسول اللہ کا خوشہ چین اور آپ کا خادم اور آپؐ کے نُور سے نور پانے والا اور آپ کا ظلّ ہوگا نہ کہ کوئی مستقل نبی۔ دیکھو چودھویں رات کا چاند کتنا پیارا اور کتنا دِلکش اور کتنا روشن نظر آتا ہے مگر اُس کی روشنی سورج کی روشنی کا حصہ اور اس کا عکس ہوتی ہے نہ کہ اپنی ذات میں مستقل روشنی۔ اِسی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے مقتداء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے کس عشق و محبت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ:۔

اُس نور پر فدا ہوں اُس کا ہی مَیں ہوا ہوں
وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

الغرض اِس حدیث میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں میں ایک ظلّی نبی پیدا ہوگا۔ اور اس نبی کے قدموں میں پھر دوبارہ خلافت علیٰ منہاج النبوّت قائم کی جائے گی۔ مگر نبوّت کے ذکر کو اس لئے پسِ پردہ رکھا گیا ہے کہ تا اِس حقیقت کی طرف اشارہ کیا جائے کہ یہ نبوّت دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت ہی کی ظلّ اور حصّہ

ہوگی نہ کوئی آزاد یا مستقل نبوت۔ مگر افسوس صد افسوس کہ نادان لوگوں نے اِن پُرحکمت حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کر کے انہی لطیف کنایات کو اعتراض کا نشانہ بنا رکھا ہے۔

حدیث میں آنے والے مسیح کو نبی کے نام سے پکارا گیا ہے

اب مَیں ایک ایسی حدیث کو لیتا ہوں جس میں صریح طور پر آنیوالے مسیح کا نام ''نبی'' رکھا گیا ہے اور ہمارے آقا (فداہُ نفسی) نے اُسے خود اپنی زبانِ مبارک سے نبی کے نام سے پکارا ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آتا ہے:-

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس بيني وبينه نَبيٌّ يعني عيسىٰ وانّهٗ نازلٌ فاذا رأيتموه فاعرفوه۔ رجل مربوع الىٰ الحمرة والبياض....فيقاتل النّاس علىٰ الاسلام فيدقّ الصليب ويقتل الخنزير و يضع الجزية۔ (ابوداؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال)

''یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ آنے والے مسیح اور میرے درمیان کوئی اَور نبی نہیں ہے۔ اور مسیح ضرور تم میں نازل ہوگا۔ پس جب وہ آئے تو تم اُسے دیکھتے ہی پہچان لینا۔ اُس آنے والے مسیح کا قد درمیانہ ہوگا اور رنگ سُرخی کی جھلک لئے ہوئے سفید ہوگا....وہ اسلام کی تائید میں دوسرے مذہبوں کے ساتھ مقابلہ کرے گا۔ اور صلیبی عقائد کو پاش پاش کردے گا۔ اور خنزیری گندوں کو مٹا دے گا۔ اور چونکہ اُس کے زمانہ میں دین کے لئے تلوار کا جنگ نہیں ہوگا اس لئے وہ جزیہ کو بھی منسوخ کردے گا''۔

یہ حدیث ایسے صاف اور سیدھے الفاظ پر مشتمل ہے کہ کسی تشریح اور کسی استدلال کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زبانِ مبارک سے آنے والے مسیح کو نبی کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔ بلکہ اس خیال سے کہ کہیں آیت خاتم النبیین کی غلط تشریح کی وجہ سے آنے والے مسیح کے متعلق یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو کہ وہ حقیقةً نبی نہیں ہے بلکہ اُسے صرف غیر اصطلاحی

طور پر دستِ مفہوم کے لحاظ سے نبی کا نام دے دیا گیا ہے۔ آپؐ اِس حدیث میں گفتگو کے عام اور معروف طریق سے اجتناب کر کے یہ پُرحکمت الفاظ استعمال فرماتے ہیں کہ:-

لیس بینی و بینہ نبیٌّ

''یعنی میرے اور اِس آنے والے مسیح کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے''۔

اِس حدیث کے خاص اندازِ بیان میں حکمت

اِس انداز بیان میں جو اپنی نوع کا ایک خاص کلام ہے یقیناً یہی اشارہ کرنا مقصود تھا کہ دیکھنا آنے والے مسیح کو یونہی غیر اصطلاحی طور پر نام کا نبی نہ سمجھ لینا بلکہ نفسِ نبوّت کے لحاظ سے (نہ کہ مقامِ نبوّت یا قسمِ نبوّت کے لحاظ سے) وہ اسی طرح خدا کا نبی ہے جسطرح کہ مَیں نبی ہوں۔ اللہ اللہ! ہمارے پاک رسول کا کلام بھی کس شان کا کلام ہے کہ اس کے لفظ لفظ میں حکمت و معرفت کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ ہاں سوچو اور غور کرو کہ اگر آپؐ صرف یہ سادہ الفاظ فرماتے کہ آنے والا مسیح نبی ہوگا تو اُن غلط فہمیوں کے پیشِ نظر جو اِس مسئلہ میں پیدا ہونے والی تھیں شک کرنے والے لوگ اس شک میں مبتلا ہو سکتے تھے کہ شاید اس جگہ نبی کا لفظ غیر اصطلاحی طور پر استعمال کیا گیا ہے ورنہ یہاں حقیقۃً نبی مراد نہیں ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیس بینی و بینہ نبیٌّ (یعنی میرے اور اس کے درمیان کوئی اَور نبی نہیں) کے حکیمانہ الفاظ استعمال کر کے یہ تعیین فرما دی ہے کہ جس طرح مَیں خدا کا نبی ہوں اِسی طرح آنے والا مسیح بھی خدا کا نبی ہوگا۔ اور گو وہ میرا خادم اور شاگرد اور ظلّ ہوگا۔ مگر بہر حال اس کے نبی ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اُمّتِ محمدیہؐ کے ایک کنارے پر مَیں کھڑا ہوں۔ اور دوسرے کنارے پر یہ آنے والا مسیح ہے۔ اور ہمارے درمیان کوئی اَور نبی نہیں۔ یہ حدیث اتنی صاف اور اتنی واضح ہے کہ کوئی غیر متعصّب انسان اس کے مفہوم کے متعلق ایک سیکنڈ کے لئے بھی شک نہیں کر سکتا۔

علاوہ ازیں لیس بینی و بینہٗ نبیٌّ کے الفاظ میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اگر مسیح موعود کے ظہور سے پہلے میری اُمّت میں کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو اُسے ہرگز نہ ماننا کیونکہ میرے اور

مسیح و موعود کے درمیان کوئی اور نبی نہیں آسکتا۔ گویا ایک طرف آپؐ نے مسیح موعود کے دعویٰ کی تصدیق فرمادی اور دوسری طرف اُمّت کو ہوشیار کر دیا کہ اگر مسیح موعود سے پہلے کوئی شخص نبوّت کا مدعی پیدا ہو تو وہ دجّال اور کذّاب ہے اُسے ہرگز نہ قبول کرنا۔ بہرحال یہ حدیث کھلے الفاظ میں اعلان کر رہی ہے کہ مسیح موعود خدا کا نبی ہوگا۔ وھو المُراد۔

یہ حدیث یقیناً آنے والے مسیح کے متعلق ہے!

اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ شاید اِس حدیث میں مسیح ناصری یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہو نہ کہ آنے والے مسیح موعود کا تو یہ ایک بالکل مجنونانہ خیال ہوگا کیونکہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاف الفاظ میں فرما رہے ہیں کہ:-

انّهٗ نازلٌ

"یعنی لوگو مَیں یہاں گذشتہ مسیح کا ذکر نہیں کر رہا بلکہ اس مسیح کا ذکر کر رہا ہوں جو آئندہ آنے والا ہے"۔

اِس صریح اور واضح ارشاد کے ہوتے ہوئے یہ شبہ کرنا کہ یہاں گذشتہ مسیح کا ذکر ہے کسی عقلمند انسان کا کام نہیں۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں جو یہ الفاظ آتے ہیں کہ یقاتل النّاس علی الاسلام "یعنی آنے والا مسیح اسلام کے اُس دَور میں آئے گا جب کہ اسلام پر دوسرے مذاہب کے حملے ہو رہے ہونگے اور وہ اسلام کی تائید میں دوسرے مذاہب کے ساتھ مقابلہ کریگا"۔ اور پھر یہ الفاظ آتے ہیں کہ "فیدق الصلیب" یعنی یہ ربانی مصلح مسیح مذہب کے زور کے وقت میں ظاہر ہو کر صلیبی عقائد کو پاش پاش کرے دیگا۔" یہ دو فقرے اس بات کا مزید ثبوت ہیں کہ یہاں محمدیؐ سلسلہ کے آنے والے مسیح موعود کا ذکر ہے نہ کہ موسوی سلسلہ کے گذرے ہوئے مسیح ناصریؑ کا۔

عزیزو اور دوستو! خدا کے لئے سوچو اور غور کرو کہ ایک طرف تو ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انّهٗ نازلٌ (یعنی یہ مسیح آئندہ زمانہ میں ظاہر ہوگا) کے الفاظ فرما کر یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ یہاں مسیح ناصری کا ذکر نہیں بلکہ مسیحِ محمدی کا ذکر ہے جو آئندہ آنے والا ہے۔ اور دوسری طرف آپؐ یہ الفاظ

فرمارہے ہیں کہ:-

لیس بینی وبینہٗ نبیٌّ

"یعنی میرے اور اس آنے والے مسیح کے درمیان کوئی اَور نبی نہیں"۔

تو اب اِن دو یقینی اور قطعی تصریحات کے ہوتے ہوئے کون عقلمند انسان اِس بات میں شک کرسکتا ہے کہ ہمارے آقا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق آنے والا مسیح خدا کا نبی ہے اور نبی بھی ایسا جسے یونہی تسامح اور وسعتِ مفہوم کے رنگ میں غیر اصطلاحی طور پر نبی کا نام نہیں دے دیا گیا۔ بلکہ سچ مچ کا نبی ہاں ہاں ایسا نبی جس کے متعلق یہ الفاظ بولے جاسکیں کہ اس کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی اَور نبی نہیں؟ خلاصہ کلام یہ کہ ابوداؤد کی اِس حدیث سے ذیل کی تین باتیں روزِ روشن کی طرح ثابت ہوتی ہیں:-

(۱) محمدیؐ سلسلہ کا مسیح خود سرورِ کائناتؐ کے ارشاد کے مطابق خدا کا نبی ہے جو اُمّتِ محمدیہؐ کی حفاظت کے لئے اِس کے آخری کنارے پر اسی طرح چوکس ہوکر کھڑا ہے جس طرح کہ اس کے ابتدائی کنارے پر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں۔

(۲) ایسے نبی کا آنا جو یُقَاتِلُ النّاس علی الاسلام کے ارشاد کے مطابق خدمتِ اسلام کے لئے مبعوث کیا گیا ہو آیت خاتم النّبیین کے خلاف نہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا روحانی فرزند اور آپؐ ہی کے وجود کا حصّہ ہے۔ اور اسی لئے اِس آیت کے باوجود آپؐ اُسے خود اپنی زبانِ مبارک سے نبی قرار دے رہے ہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود کے درمیان نبوّت کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ فیج اعوج کا زمانہ ازل سے دجّالون کذّابون کی پیشگوئی کے مطابق جھوٹے نبیوں کیلئے ریزرو ہوچکا ہے۔

نبوّت کے متعلق صحیح مسلم کا حوالہ

ابوداؤد کی اِس حدیث کی تائید صحیح مسلم کی ایک حدیث کے ذریعہ بھی ہوتی ہے جہاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آنے والے مسیح کو ایک ہی فقرہ میں بار بار نبی کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

ویُحصر نبیّ اللّٰہ عیسٰی واصحابہ.... فیرغبُ نبیّ اللّٰہ عیسٰی و اصحابہ... ثمّ یھبط نبیّ اللّٰہ عیسٰی واصحابہٗ.... فیرغبُ نبیّ اللّٰہ عیسٰی و اصحابہ الی اللّٰہ۔ الخ (مسلم باب ذکر الدجّال)

> "یعنی جب مسیح موعود یاجوج ماجوج کے زور کے زمانہ میں آئے گا تو مسیح نبی اللہ اور اس کے صحابی دشمن کے نرغہ میں محصور ہو جائیں گے.... پھر مسیح نبی اللہ اور اس کے صحابی خدا کے حضور دُعا اور تضرّع کے ساتھ رجوع کریں گے... اور اِس دُعا کے نتیجہ میں مسیح نبی اللہ اور اس کے صحابی مشکلات کے بھنور سے نجات پاکر دشمن کے کیمپ میں گھس جائیں گے۔ لیکن وہاں نئی قسم کی مشکلات پیش آئیں گی .... اور پھر مسیح نبی اللہ اور اس کے صحابی دوبارہ خدا کے حضور دُعا کرتے ہوئے جھکیں گے اور خدا اُن کی مشکلات کو دُور فرما دے گا۔ وغیرہ وغیرہ"۔

اِس لمبی حدیث میں جسے مفصّل نقل کرنے کی اس جگہ گنجائش نہیں (مگر وہ یقیناً آخری زمانہ کے فتنوں اور آنے والے مسیح کے متعلق ہے جیسا کہ ہر شخص اصل حدیث کو پڑھ کر فیصلہ کر سکتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی جملہ کے اندر مسیح موعود کے متعلق چار دفعہ نبی اللہ کا لفظ استعمال فرماتے ہیں۔ یہ طریق کلام بھی ابوداؤد کی حدیث کی طرح یقیناً غیر معمولی ہے اور اس میں بھی سوائے اِس انتباہ کے کوئی اَور غرض نہیں تھی کہ بیشک مَیں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو میرے فیض سے آزاد ہو کر آئے یا میری شریعت کو منسوخ کرے لیکن چونکہ آنے والا مسیح میرا ہی روحانی فرزند اور میرا ہی ظلّ ہوگا اس لئے اس کا آنا ختم نبوّت کے منافی نہیں کیونکہ وہ میرے ہی فیض سے فیض یافتہ ہوگا۔ اور اس کی نبوّت میری ہی نبوّت کا حصہ ہوگی۔ پس تم اس کی نبوّت میں شک نہ کرنا۔ کیونکہ شاخ اپنی جڑ سے جدا نہیں اور نہ ہی ظلّ اپنے اصل سے الگ ہے۔ اِسی غرض کے ماتحت آپؐ نے غیر معمولی طور پر ایک ہی فقرہ میں آنے والے مسیح کو چار دفعہ نبی اللہ

کے نام سے یاد کیا ہے۔ لاریب یہ طریق کلام خاص حکمت پر مبنی ہے۔ اور وہ حکمت یہی ہے کہ تا آئندہ پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کے پیشِ نظر اُمّتِ محمدیہؐ کو ہوشیار کر دیا جائے کہ دیکھنا دیکھنا ٹھوکر نہ کھانا اور جلد بازی میں کسی صادق کا انکار نہ کر بیٹھنا۔ ورنہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایک ہی جگہ ایک ہی فقرہ میں مسیح موعود کو بظاہر بلا ضرورت چار دفعہ نبی اللہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور نہ کسی اَور نبی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اَور جگہ ایسا غیر معمولی طریق اختیار فرمایا ہے۔ **فافھم وتدبّر ولا تکن من المُمترین۔**

اُمّتِ محمدیہ میں مبشّرات کا سلسلہ

اب مَیں ایک ایسی حدیث کو لیتا ہوں جسے بعض اوقات ہمارے مخالفین جلد بازی کے طریق پر اپنے خیال کی تائید میں پیش کیا کرتے ہیں لیکن جیسا کہ مَیں انشاء اللہ ابھی ثابت کروں گا وہ دراصل ہماری تائید میں ہے۔ کیونکہ اِس حدیث سے بھی سوائے اس کے کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شریعت والی نبوّت کا دروازہ بند ہے مگر غیر تشریعی اُمّتی نبوّت کا دروازہ کھلا ہے اور کبھی بند نہیں ہوگا۔ چنانچہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

لم یبقَ من النبوّة الاّ المبشّرات قالوا وما المبشّرات قال الرّؤیا الصالحة۔ (صحیح بخاری ابواب الرؤیا)

> ”یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب نبوّت میں سے مبشّرات کے سوا اور کوئی پہلو باقی نہیں رہا۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ مبشّرات سے کیا مُراد ہے۔ آپؐ نے فرمایا اِس سے رؤیا صالحہ مُراد ہے۔“

اِس حدیث کی مزید تفصیل ایک دوسری حدیث میں اِس طرح آتی ہے کہ:-

ان النبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم کشف الستارة ورأسهُ معصوبٌ فی مرضہٖ الّذی مات فیه والنّاس صفوف خلف ابی بکر فقال یاایّھاالنّاس انّهٗ لم یبق۔ (الخ)

(صحیح مسلم وابوداؤد بحوالہ فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۳۰۵)

’’یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض الموت میں ایک دن جبکہ آپؐ نے بیماری کی شدّت کی وجہ سے اپنا سر باندھا ہوا تھا اپنے دروازے کا پردہ اُٹھایا (اور اس وقت لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے صفیں بنا کر نماز کے لئے تیار کھڑے تھے) اور اپنے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ لوگو! سنو کہ اب صرف مبشرات باقی رہ گئی ہیں‘‘۔

یہ وہ حدیث ہے جس سے ہمارے مخالفین بعض اوقات یہ استدلال کیا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا سلسلہ کُلّی طور پر بند ہو گیا ہے اور مسلمانوں کے لئے اب صرف خواب وغیرہ ہی باقی ہے جو کبھی کسی مومن کو آ جائے۔ اور اِس کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ لیکن یہ استدلال بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ حدیث بھی صرف وہی حقیقت بیان کر رہی ہے جو ہم اُوپر درج کر آئے ہیں۔ یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تشریعی نبوّت اور مستقل نبوّت کا دروازہ تو بے شک بند ہے لیکن ظلّی نبوّت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور شاگردی میں ملتی ہے اس کا دروازہ ہرگز بند نہیں۔ بلکہ کھلا ہے اور کھلا رہے گا۔

مرض الموت میں مبشّرات والے اعلان کی حکمت

اِس کے لئے سب سے پہلے تو یہ جاننا چاہیئے کہ یہ الفاظ جو اِس حدیث میں بیان ہوئے ہیں، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض الموت میں فرمائے تھے۔ جب کہ آپؐ یہ سمجھ رہے تھے کہ اب مَیں اپنے عزیز صحابہ سے رخصت ہو رہا ہوں۔ ایسے موقع پر انسان طبعاً اس مخصوص تعلق کی طرف اشارہ کیا کرتا ہے جو اُسے اپنے پیچھے رہنے والے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اپنے اس تعلق کے واسطے سے وہ اُنہیں مناسب الفاظ کے ذریعہ تسلّی دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ صحابہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ایک شارع نبی کا تھا۔ پس لامحالہ آپؐ کے اِن الفاظ کا یہی منشاء سمجھا جائے گا کہ اس جگہ آپؐ صرف تشریعی نبوّت کا ذکر فرما رہے ہیں نہ کہ عام۔ گویا بالفاظِ دیگر آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ اَے میرے عزیز صحابیو! اب مَیں تو تم سے رخصت ہو رہا ہوں اور میری وفات کے ساتھ خدا کے اس تشریعی کلام کا نزول بھی جو میرے ذریعہ ہو رہا تھا بند ہو

جائے گا۔ لیکن تم گھبرانا نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف دھیان رکھنا وہ تمہیں بھولے گا نہیں اور مومنوں پر اپنی بشارتوں اور رؤیا صالحہ کے ذریعہ اپنی رحمت کا نزول فرماتا رہے گا وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ ایک مخصوص قسم کا کلام تھا، جو آپؐ نے اپنی وفات کو قریب دیکھتے ہوئے اپنی مخصوص نبوّت کے پیش نظر فرمایا۔ اور اس میں صرف اس مخصوص زمانہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا جو آپؐ کی وفات کے معاً بعد آنے والا تھا نہ کہ عام۔ چنانچہ یہی وہ تشریح ہے جو اسلام کے چوٹی کے علماء اس حدیث کی کرتے آئے ہیں۔ مثلاً علامہ ابن حجر (وفات ۸۵۲ھ ہجری) جو فنِ حدیث میں امام کا درجہ رکھتے ہیں اس حدیث کی تفسیر میں فرماتے ہیں:-

اللّام فی النبوّة للعهدو المراد نبوّته و المعنٰی لم یبق بعد النبوّة المختصّة بی الاّ المبشّرات۔ (فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۳۰۵)

> ”یعنی اس حدیث میں جو النبوّۃ کا لفظ آیا ہے اس سے مخصوص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی نبوّت مراد ہے (نہ کہ عام نبوّت) اور مطلب یہ ہے کہ میری مخصوص نبوّت میں سے شریعت والا حصّہ تو ختم ہو گیا ہے۔ مگر مبشّرات باقی ہیں“۔

پس اس حدیث کے متعلق ہمارا پہلا جواب تو یہی ہے کہ یہ حدیث عام نہیں تھی۔ بلکہ جیسا کہ سیاق وسباق سے ظاہر ہے اور جیسا کہ سابقہ علماء اُمّت نے بھی تصریح کی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ وسلم نے اپنی مخصوص نبوّت کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ اور اس کا تعلق صرف اس زمانہ کے ساتھ تھا جو آپؐ کی وفات کے معاً بعد آنے والا تھا تا کہ صحابہ کو اپنی وفات کی خبر دے کر تسلّی دی جائے کہ مَیں تو جا رہا ہوں مگر مبشّرات کی صورت میں خدا کے فضل ورحمت کا سایہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے جلد بعد کسی نبی کی بعثت مقدّر نہیں تھی اس لئے آپؐ نے وقت کے تقاضا کے مطابق مبشّرات کی تشریح میں صرف رؤیائے صالحہ کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔

رسولِ پاکؐ کے عہد میں قلّتِ الہام کی وجہ

عقلاً بھی یہی ضروری تھا (اور یہ ایک خاص نکتہ ہے جو یاد رکھنا چاہیئے) کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے قریب قریب وحی و الہام کے سلسلہ کو زیادہ وسیع نہ کیا جاتا تا قرآنی وحی کے ساتھ کسی دوسری وحی کے خلط ہونے کا خطرہ نہ پیدا ہو۔ اِسی لئے آپؐ نے اِن حالات کو دیکھتے ہوئے اپنے زمانہ کے لئے مبشّرات کی اس تشریح پر اکتفا فرمایا کہ اس سے رؤیا صالحہ مراد ہے۔ چنانچہ اِس کے متعلق علاّمہ ابنِ حجر موصوف صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں:-

”وکان السِرّ فی ندور الالہام فی زمنہ و کثرتہ من بعدہٖ....لمن اختصّہ اللہ بہ للامن من اللبس فی ذٰلک۔ (فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۳۰۵)

> ”یعنی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کے زمانہ میں الہام کی وہ کثرت نہیں پائی جاتی جو بعد کے زمانہ میں پائی جاتی ہے اس میں تقدیرِ الٰہی کا یہ رازِ مخفی تھا کہ تا قرآنی وحی کے ساتھ کسی دوسری وحی کا خلط نہ واقع ہو۔“

> یہ وہ لطیف تشریح ہے جو اس حدیث کی ثابت ہوتی ہے اور ہر شخص جو صاف دِلی کے ساتھ اِس حدیث کے الفاظ اور اس کے سیاق وسباق پر غور کرے گا اس پر یہ بات مخفی نہیں رہے گی کہ اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریب کے زمانہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ کہ مبشّرات کے لفظ کی جو تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الرؤیا الصّالحۃ کے الفاظ سے فرمائی ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھی عام نہیں تھی۔

لیکن اگر اس حدیث کو عام سمجھا جائے تو پھر بھی کثرتِ معانی کے اُصول کے ماتحت کوئی حرج لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ابتدائی بحث میں بتا چکے ہیں، نبوّت تین قسم کی ہوتی ہے۔ اوّل تشریعی نبوّت جس کے ساتھ کسی نئی شریعت کا نزول ہوتا ہے جیسا کہ مثلاً حضرت موسیٰؑ اور ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نئی شریعت عطا کی گئی۔ دوسرے مستقل نبوّت جس کے ساتھ کوئی نئی شریعت تو نہیں ہوتی مگر ایسا نبی کسی سابقہ نبی کی پیروی اور شاگردی کے بغیر براہِ راست نبوّت پاتا ہے اور اس کی نبوّت کسی دوسرے نبی کی نبوّت کے سہارے پر قائم نہیں ہوتی بلکہ حصولِ نبوّت کے لحاظ سے آزاد ہوتی ہے۔ جیسا کہ مثلاً حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی نبوّت

تھی۔ اور تیسرے ظلّی نبوّت جس کے ساتھ نہ تو کوئی نئی شریعت ہوتی ہے اور نہ ایسا نبی آزاد صورت میں نبوّت حاصل کرتا ہے۔ بلکہ یہ نبوّت سابقہ تشریعی نبوّت کی ظلّ اور عکس ہوتی ہے اور گویا اسی کے سہارے پر قائم ہوتی اور اُسی کی خدمت کے لئے آتی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے نبی یعنی مثیلِ مسیح کے لئے مقدّر تھا۔ پس اگر بالفرض مبشّرات کے لفظ کو عام معنوں میں لیا جائے تو تب بھی اس حدیث کا منشا صرف یہی سمجھا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی صاحبِ شریعت نبی نہیں آسکتا بلکہ صرف مبشّرات ومنذرات والا نبی آسکتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خوشہ چین بن کر اور آپؐ ہی کے نُورِ نبوّت سے فیض پا کر نبی بنے۔

مبشّرات کی کثرت ہی کا دوسرا نام نبوّت ہے

حق یہ ہے کہ مبشّرات اور منذرات (کیونکہ مبشّرات کے ساتھ منذرات کا وجود لازم و ملزوم ہے) کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ جب یہی مبشّرات ومنذرات اپنی کمیّت اور کیفیت کے لحاظ سے کثرت اور کمال کے ساتھ کسی شخص کو عطا کئے جائیں تو ایسا شخص نبی کہلاتا ہے۔ ہاں معمولی پیمانے پر اُن کا وجود بیشک کم وبیش سب مومنوں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن جس طرح مثلاً ایک روپئے کا مالک مالدار نہیں کہلاتا۔ اِسی طرح معمولی طور پر مبشّرات ومنذرات کی نعمت سے حصّہ پانے والا شخص بھی نبی نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ صرف وہی شخص نبی کہلاتا ہے جسے یہ نعمت خدا کی طرف سے غیر معمولی کثرت اور غیر معمولی کمال کے ساتھ عطا ہوئی ہو۔ پس حقیقۃً صرف کثرت اور قلّت کا فرق ہے ورنہ مبشّرات ومنذرات کی کثرت ہی کا دوسرا نام نبوّت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (سورۃ انعام آیت ۴۹)

> "یعنی ہم اپنے سب رسولوں اور نبیوں کو صرف مبشّرات اور منذرات ہی کا حامل بنا کر بھیجتے ہیں۔ اور پھر جو لوگ ان پر ایمان لاتے اور اپنی اصلاح کرتے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہر خوف وحُزن سے امن میں آجاتے ہیں"۔

اِس قرآنی آیت، سے واضح طور پر ثابت ہے کہ جہاں تک نفسِ نبوّت کا تعلق ہے مبشّرات ومنذرات کی کثرت ہی کا دوسرا نام نبوّت ہے اور باقی چیزیں مثلاً شریعت کا لانا یا مستقل حیثیت میں پانا یہ سب زائد باتیں ہیں جو ہر نبی میں پائی جانی ضروری نہیں۔ بلکہ کسی نبی میں پائی جاتی ہیں اور کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ چنانچہ نبوّت کی تعریف کے متعلق خود حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہؑ فرماتے ہیں:-

> ''یہ تمام بد قسمتی دھوکے سے پیدا ہوئی ہے کہ نبی کے حقیقی معنوں میں غور نہیں کی گئی۔ نبی کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو اور شرفِ مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرّف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ کسی صاحبِ شریعت رسول کا متبع نہ ہو''۔
>
> (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۳۸)

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

> ''جیسا کہ مجدّد صاحب سرہندی نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اگر چہ اِس اُمّت کے بعض افراد مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص رہیں گے لیکن جس شخص کو بکثرت اِس مکالمہ مخاطبہ سے مشرف کیا جائے اور بکثرت اُمورِ غیبیہ اُس پر ظاہر کیئے جائیں وہ نبی کہلاتا ہے''۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰)

پس اگر لم یبق من النبوّۃ الّا المبشّرات (یعنی اب نبوّت میں سے صرف مبشّرات باقی رہ گئی ہیں) والی حدیث کو عام بھی سمجھا جائے تو تب بھی اس سے مُراد اُصولی رنگ میں صرف یہ ہے کہ آئندہ کوئی شریعت والا نبی نہیں آسکتا بلکہ صرف غیر تشریعی امّتی نبی آسکتا ہے جس کی نبوّت صرف مبشّرات و منذرات تک محدود ہو۔

اُمّت محمدیہؐ کے خواص میں الہام کا سلسلہ

اِس حدیث کے متعلق یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ اِس حدیث میں مبشّرات کی جو تشریح

الرؤیا الصالحۃ کے لفظ سے کی گئی ہے وہ صرف عام مومنوں کو مدِ نظر رکھ کر ہے ورنہ جیسا کہ اِسلام کی تاریخ میں ہزاروں اولیاء اور صلحاء کی عملی شہادت سے ثابت ہے یہ مراد ہرگز نہیں کہ نعوذ باللہ اِس خیر اُمّت کے حصہ میں اب صرف خوابیں ہی رہ گئی ہیں۔ اور آئندہ کوئی شخص کشف اور الہام وغیرہ سے حصہ نہیں پا سکتا۔ چنانچہ سُننِ ابنِ ماجہ کی شرح میں امام ابوالحسن الرؤیا الصّالحۃ کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

المراد انّھا لم تبق علی العموم والّا فالالھام والکشف للاولیاء فموجودٌ۔
(شرح سنن ابن ماجہ مصنّفہ امام ابوالحسن جلد ۲ صفحہ ۴۴۸)

> ”یعنی اِس حدیث میں الرؤیا الصّالحۃ (سچی خوابوں) کا لفظ عام لوگوں کو مدِّ نظر رکھ کر بیان کیا گیا ہے ورنہ اولیاء اور خواص کے لئے الہام اور کشف کا سلسلہ تو مسلّم اور موجود ہی ہے“۔

خلاصہ یہ کہ حدیث لم یبق من النبوّۃِ الّا المبشّرات میں اوّل تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم والی تشریعی نبوّت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگ مراد ہیں نہ کہ عام۔ لیکن اگر اِس حدیث کو عام سمجھا جائے تو پھر بھی مبشّرات کے لفظ سے مطلقاً نبوّت کی نفی مراد نہیں بلکہ صرف تشریعی نبوّت اور مستقل نبوّت کی نفی مراد ہے۔ اور حدیث کا منشاء یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شریعت والی نبوّت اور مستقل نبوّت کا دروازہ تو بیشک بند ہو گیا ہے لیکن مبشّرات اور مُنذرات والی نبوّت کا دروازہ بند نہیں ہوا کیونکہ وہ آپ کی نبوّت کی ظلِ ہے نہ کہ اصل اور آزاد نبوّت۔

ایک مبشّرات والے نبی کی پیشگوئی

علاوہ ازیں حدیث لم یبق من النبوّۃ الّا المبشّرات میں ایک اور لطیف اشارہ بھی تھا اور وہ یہ کہ اِس میں ضمنی طور پر آخری زمانہ میں مثیلِ مسیح کے نزول کی خبر دی گئی تھی۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جیسا کہ ہمارے ناظرین کو معلوم ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی

تھی اور انجیل کے معنی جیسا کہ ہر لغت کی کتاب میں لکھا ہے ''بشارت'' کے ہیں۔ (مثلاً دیکھو اقرب الموارد وغیرہ)۔ گویا حضرت عیسیٰؑ کی نبوّت جو غیر تشریعی رنگ کی تھی ایک ایسے کلامِ الٰہی کی حامل تھی جسے خدا نے بشارت کا نام دیا ہے۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ لم یبق من النبوّۃ الّا المبشّرات (یعنی اب نبوّت میں سے صرف مبشّرات باقی رہ گئی ہیں) تو آپؐ نے اِس میں یہ لطیف اشارہ فرمایا تھا کہ مَیں تو جاتا ہوں اب تم میرے بعد انجیلی بشارت والے موسوی مسیح کی طرح مبشّرات والے محمدی مسیحؑ کی راہ دیکھنا جو میرے قدموں پر میرے ہی نُور سے نور پا کر مبعوث ہوگا۔ دیکھو یہ کیسا لطیف کلام ہے جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلا۔ گویا آپؐ نے دوسرے الفاظ میں مثیلِ مسیح والی پیشگوئی کو ہی دہرا کر فرما دیا کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد موسوی شریعت کی خدمت کے لئے مسیح ناصری آیا تھا جسے انجیل کی بشارات دی گئی تھیں اسی طرح آخری زمانہ میں قرآنی شریعت کی خدمت کے لئے ایک محمدی مسیحؑ آئے گا اور اُسے بھی مسیح ناصری کی طرح مبشّرات عطا کی جائیں گی۔ خلاصہ کلام یہ کہ قریب کے زمانہ کے لئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبشّرات کی تشریح میں رؤیا صالحہ کے الفاظ فرمائے تا قُربِ زمانی کی وجہ سے قرآنی وحی کے ساتھ کسی دوسری وحی کا خلط نہ واقع ہو اور دُور کے زمانہ کے لئے اِسی لفظ میں مثیلِ مسیح کے نزول کی طرف اشارہ فرما دیا۔ کاش ہمارے مخالف اصحاب اپنے سطحی استدلالوں کو چھوڑ کر ان لطیف حقائق پر غور فرمائیں جن سے قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں۔

منفی قسم کی احادیث پر تبصرہ

منفی حدیثوں کا خلاصہ

مسئلہ ختم نبوّت کے متعلق مثبت حدیثوں کی بحث ختم کرنے کے بعد اَب مَیں منفی قسم کی حدیثوں کو لیتا ہوں۔ منفی حدیثوں سے میری مُراد وہ حدیثیں ہیں جن سے بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کے سلسلہ کا بند ہونا سمجھا جاتا ہے۔ یہ حدیثیں مختلف قسم کی ہیں۔ اور ان

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الفاظ بھی مختلف قسم کے استعمال فرمائے ہیں۔ مثلاً بعض میں اس قسم کے الفاظ آتے ہیں کہ **لا نبیّ بعدی** (یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں) اور بعض میں یہ الفاظ آتے ہیں **لو کان بعدی نبیٌّ لکان عمر** (یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمر ہوتا) اور بعض میں ایسے الفاظ آتے ہیں کہ **اِنّی آخر الانبیاء** (یعنی مَیں آخری نبی ہوں) اور بعض میں اس قسم کے الفاظ آتے ہیں کہ **مثلی ومثل الانبیاء من قبلی**۔ الخ (یعنی میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایک مکان کی سی ہے جس میں ایک اینٹ کی کسر تھی اور میری بعثت سے یہ اینٹ اپنے موقع پر لگ گئی)۔ اور بعض میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ **انّ الرّسالۃ والنبوّۃ قد انقطعت** (یعنی اب رسالت اور نبوّت کا سلسلہ بند ہو چکا ہے) اور بعض میں ایسے الفاظ آتے ہیں کہ **ثلاثون دجالون کذّابون کلّھم یزعم انہٗ نبیّ**۔ (یعنی میرے بعد تیس دجّال ظاہر ہوں گے جن میں سے ہر ایک اس بات کا مدّعی ہوگا کہ مَیں خدا کا نبی ہوں)۔ وغیرہ وغیرہ

یہ ان حدیثوں کا خلاصہ ہے جن سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوّت کا دروازہ کُلّی طور پر بند ہو چکا ہے۔ مَیں اس جگہ ان حدیثوں کی صحت اور عدمِ صحت کی بحث میں تو نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ یہاں اِس قسم کی تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں لیکن جیسا کہ مَیں انشاء اللہ ابھی ثابت کروں گا اِن حدیثوں سے وہ نتیجہ نکالنا ہرگز درست نہیں، جو ہمارے مخالف خیال اصحاب نکالا کرتے ہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ان حدیثوں سے بھی صرف یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ شریعت والی نبوّت اور مستقل نبوّت تو بیشک حضور خاتم النبیّین کی بعثت کے بعد ختم ہو چکی ہے لیکن ظلّی نبوّت جو محمدیؐ نبوّت ہی کا پرتو اور عکس ہے اور گویا اسی کا حصہ ہے وہ ہرگز بند نہیں ہوئی۔ اور اِن حدیثوں میں سے کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جو اِس قسم کی ظلّی نبوّت کا دروازہ بند کرتی ہو۔ مگر علیٰحدہ علیٰحدہ حدیثوں کی بحث شروع کرنے سے پہلے مَیں ایک مجموعی نوٹ کے ذریعہ اپنے ناظرین کو ایک اصولی بات کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ جس سے انشاء اللہ اِس مسئلہ کے حل کا ایک سہل اور آسان رستہ کھل جائے گا۔

حدیثوں کے تضاد کو دُور کرنے کا طریق

وہ اُصولی امر یہ ہے کہ مسئلہ ختم نبوت کی بحث میں کچھ حدیثیں ہماری طرف سے پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے نبوّت کے دروازہ کا کھلا ہونا ثابت ہوتا ہے اور کچھ حدیثیں ہمارے مخالفین کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے اس دروازہ کا بند ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ بظاہر یہ ایک بھاری تضاد ہے جو اگر حل نہ ہو سکے تو ہمارے آقا سرورِ کائنات فخرِ موجودات سیّدِ وُلدِ آدمؐ (فداہُ نفسی) کے متعلق یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ آپؐ نے متضاد ارشادات فرمائے ہیں۔ یعنی کبھی تو آپؐ نے یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور کبھی یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد بھی نبی آسکتا ہے کبھی یہ فرمایا ہے کہ مَیں آخری نبی ہوں اور کبھی یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد میری اُمّت میں ایک مسیح آنے والا ہے اور وہ نبی ہوگا۔ اس ظاہری تضاد کے دُور ہونے کی کوئی نہ کوئی صورت ہونی چاہئے اور ہمارا اور دوسرے مسلمانوں کا یہ مشترکہ فرض ہے کہ انتہائی سنجیدگی اور دیانتداری کے ساتھ اس معاملہ میں غور کر کے کوئی ایسی صورت نکالیں جس سے یہ تضاد (جو یقیناً صرف ظاہر میں نظر آنے والا تضاد ہے کیونکہ ہمارے آقاؐ کے کلام میں کوئی حقیقی تضاد نہیں ہو سکتا) دُور ہو جائے۔ اور جیسا کہ ہر عقلمند انسان ہمارے ساتھ اتفاق کرے گا۔ اس ظاہری تضاد کے دُور ہونے کی مندرجہ ذیل دو امکانی صورتیں ہی ہیں:-

اوّل یہ کہ حدیثوں کے ظاہری تضاد کو اُن سے اُوپر کے حاکم یعنی قرآن مجید کے سامنے رکھ کر اس سے فیصلہ حاصل کیا جائے کہ وہ اس بارہ میں کیا فرماتا ہے پھر جو حدیث قرآن کے مطابق ہو اُسے لے لیا جائے، اور دوسری کو ردّ کر دیا جائے یہ وہ طریق ہے جس کی طرف خود قرآن نے رہنمائی کی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۝ (سورۂ جاثیہ آیت ۷)

”یعنی اللہ اور اس کی آیات کے مقابل پر لوگ کس حدیث کو مانیں گے؟“

لیکن ہمارے مخالفین کو یہ صاف اور سیدھا طریق منظور نہ ہو تو پھر دوسرا طریق یہ ہے کہ

دونوقسم کی حدیثوں کو لے کر (سوائے اس کے کہ کوئی حدیث خاص طور پر ضعیف یا موضوع ثابت ہو جس کی بحث کا یہ موقع نہیں) ان میں کوئی مطابقت اور موافقت کا رستہ نکالا جائے۔ یعنی یہ فیصلہ کیا جائے کہ جن حدیثوں میں نبوّت کے اجراء کا انکار ہے اُن میں کن معنوں میں انکار ہے تا اِس ذریعہ سے کسی لمبی بحث کے بغیر دونوقسم کی حدیثوں کو قبول کرنے کا رستہ نکل آئے۔

قرآن کا فیصلہ ہمارے حق میں ہے

یہی وہ دو اِمکانی طریق ہیں جن سے ہم اس ظاہری تضاد کو دُور کر سکتے ہیں اور ہر سچّے مسلمان کا فرض ہے کہ اِس اہم معاملہ میں جو ایمانیات سے تعلق رکھتا ہے، انتہائی سنجیدگی اور دیانتداری کے ساتھ غور کر کے اِس اُلجھن کے حل کا رستہ نکالے۔ قرآن مجید کا رستہ تو بالکل صاف ہے۔ کیونکہ جیسا کہ مَیں اِس رسالہ کے شروع میں بیان کر چکا ہوں قرآن مجید کی کوئی ایک آیت یا کسی آیت کا کوئی جُزو بھی ایسا نہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کے سلسلہ کو بند قرار دیا گیا ہو بلکہ ہر جگہ یہی مضمون چل رہا ہے کہ ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدائی نعمتوں اور خدائی رحمتوں کے دروازے پہلے سے بھی بہت زیادہ فراخ ہو کر کھل گئے ہیں۔ لے دے کے ہمارے مخالفین صرف ایک آیت خاتم النبیین پیش کیا کرتے ہیں۔ مگر اِس آیت کے متعلق ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس میں بھی سلسلہ نبوّت کا بند ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ جو انعام پہلے نبیوں کو براہِ راست ملا کرتے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارفع مقام اور مکمل فیضان کی وجہ سے آپؐ کے بعد آپؐ کی پیروی اور شاگردی اور آپؐ کی مُہر تصدیق کے ساتھ ملا کریں گے۔ اور یہ بعینہٖ وہی نظریہ ہے جو ہم پیش کرتے ہیں۔ بہر حال قرآن کی کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کے سلسلہ کے بند ہونے کا ذکر ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے کمال حکمت سے قرآن مجید کا آغاز ہی اِس شاندار مضمون کے ساتھ کیا ہے کہ جو انعامات پہلی اُمتوں کو متفرق طور پر ملتے رہے ہیں وہ سب کے سب بلا استثناء اُمّتِ محمدیہ کو اکمل اور اتم صورت میں ملیں گے۔ کیا ایسی کامل و مکمل کتاب جو اِس وسیع نظریہ کے

ساتھ شروع ہو رہی ہے اِس تنگ نظریہ کی تائید کر سکتی ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے خدائی انعام واکرام کے وسیع دریا کو خشک کر کے رکھ دیا ہے؟ اور جو نہریں پہلے جاری تھیں وہ اب بند ہو گئی ہیں۔ **هیهات هیهات لما یصفون۔**

حدیثوں میں کوئی حقیقی تضاد نہیں

باقی رہا حدیث کا معاملہ۔ سو اس کے تضاد کو دُور کرنا کوئی مشکل کام نہیں کیونکہ اس کا تضاد محض ظاہری ہے حقیقی نہیں۔ چند حدیثیں ہم پیش کرتے ہیں جن سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے دین کی خدمت کے لئے آپؐ ہی کے خادموں میں سے آپؐ ہی کے نُور سے نُور پا کر اور آپؐ ہی کا عکس لیکر ایک شخص نبوّت کے مقام کو پہنچ سکتا ہے۔ اِس کے مقابل پر چند حدیثیں دوسرا فریق پیش کرتا ہے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی اَور نبی نہیں۔ بظاہر یہ ایک بھاری تضاد ہے۔ مگر دوستو اور عزیزو اور ہمارے مشترکہ آقاؐ کے نام لیواؤ! خدا تمہاری آنکھیں کھولے، کیا یہ تضاد اِس ایک حکیمانہ لفظ سے دُور نہیں کیا جا سکتا کہ جہاں ہمارے آقاؐ نے **لا نبیَّ بعدی** اور **اِنّی آخر الانبیاء** وغیرہ کے الفاظ فرمائے ہیں وہاں آپؐ کا منشاء یہ ہے کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو مجھ سے آزاد ہو کر اور میری شریعت کو منسوخ کر کے اور میرے دامنِ نبوّت سے کٹ کر نبی ہونے کا دعویٰ کرے۔ اور اِس معنی میں مَیں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں لیکن اس کے مقابل پر جہاں آپؐ نے یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد نبی آسکتا ہے اور میری اُمّت کا مسیح موعود نبی ہوگا وہاں آپ کا مقصد یہ ہے کہ میری شریعت کا خادم بن کر اور میرے نور سے نور پا کر اور گویا میرے سورج کے ساتھ چاند کی طرح وابستہ ہو کر میرا ایک روحانی فرزند نبوّت کے مقام کو پہنچ سکتا ہے ایسے شخص کی نبوّت کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی آخری نبی رہتے ہیں اور **لا نبیَّ بعدی** کے مفہوم میں کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوتا کیونکہ شاخ اپنی جڑھ سے جُدا نہیں اور نہ ظلِّ اپنے اصل سے الگ ہے۔

ہم اصولاً ساری حدیثوں کو قبول کرتے ہیں

اب دیکھو کہ یہ ایک کیسا سہل اور کیسا آسان طریق ہے جس میں حدیثوں کا ظاہری تضاد گویا ایک لفظ کے کہنے سے اور ایک کانٹے کے بدلنے سے بالکل دُور ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے آقا (فداہُ نفسی) کی ہر حدیث ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمارے دل کی راحت قرار پاتی ہے اور کسی مزید بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ مَیں جانتا ہوں کہ اِن حدیثوں کی صحت اور عدمِ صحّت کے متعلق بعض لوگوں نے لمبی لمبی بحثیں کی ہیں۔ اور اِس میدان میں داخل ہونے سے یقیناً کافی بحث کا رستہ کھل سکتا ہے لیکن جیسا کہ مَیں کہہ چکا ہوں مَیں اِس جگہ اِس بحث میں نہیں جانا چاہتا بلکہ دلیل کی خاطر اِن ساری حدیثوں کو قبول کرتا ہوں جن کی طرف مَیں نے اُوپر اشارہ کیا ہے۔ مَیں مانتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لا نبیّ بعدی (یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں)۔ مَیں مانتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنّی آخر الانبیاء (یعنی میں آخری نبی ہوں) مگر مَیں اِن حدیثوں کے وہ معنی نہیں کر سکتا جس کے نتیجہ میں میرے آقا کی دوسری حدیثیں نعوذ باللہ غلط قرار پائیں۔ مَیں ان حدیثوں کے وہ معنی نہیں کر سکتا جن سے میرے آقا کی شان میں کمی آئے۔ پس مَیں جہاں اِن حدیثوں کو مانتا ہوں وہاں اُن دوسری حدیثوں کو بھی مانتا ہوں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور شاگردی میں نبی آ سکتا ہے اور یہ کہ آنے والا مسیح جو آپؐ کا روحانی فرزند ہے نبوّت کے مقام کو پہنچے گا۔ مَیں اِن ہر دو قسم کی حدیثوں کو مانتا ہوں کیونکہ اِس طرح حدیثوں کا تضاد دُور ہوتا ہے اور میرے آقاؐ کی یہ بلند شان ظاہر ہوتی ہے کہ اُس کے خادم اس کی خوشہ چینی میں نبوّت کے مقام کو پہنچ سکتے ہیں۔ ہمارے رسولِ پاکؐ نے فرمایا تھا اور بالکل سچ فرمایا تھا کہ:-

لو کان موسیٰ وعیسیٰ حیّین لما وسعهما الّا اتباعی

(الیواقیت والجواہر مرتبہ امام شعرانی جلد ۲ صفحہ ۲۰)

”یعنی اگر اس وقت موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو اُنہیں بھی میری اتباع کے بغیر

چارہ نہ ہوتا''۔

لیکن ایک غیر مسلم معاند کہہ سکتا تھا کہ نعوذ باللہ یہ صرف ایک منہ کا دعویٰ ہے، جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ مگر خدا نے آپؐ کے خادموں میں سے ایک شخص کو مثیلِ مسیح بنا کر اور اُسے نبوّت کے مقام تک پہنچا کر بتا دیا کہ اس کے حبیبؐ کا دعویٰ بالکل سچّا تھا۔ جس کی صداقت پر واقعات نے مہر لگا دی ہے۔ کیا ہمارے مخالف اصحاب واقعات کی اِس شہادت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں؟ کیا وہ حدیثوں کے اِس تضاد کو حل کرنے کی خاطر ہماری طرح اِس اعلان کے لئے آمادہ ہیں کہ ہم اِس بحث میں ساری پیش کردہ حدیثوں کو مانتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر وہ خود سوچ لیں کہ قرآن کو اُنہوں نے کلّی طور پر چھوڑا۔ حدیثوں کے نصف بہتر حصّہ سے اُنہوں نے منہ موڑا اور پھر بھی اُنہیں اِس محرومی کے سِوا کچھ ہاتھ نہیں آیا کہ اپنے رسول کی شان گھٹا کر اور خدائی انعاموں کی نہریں خشک کر کے بیٹھ گئے۔ فاعتبروا یا اولیٰ الابصار۔

حدیث لا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی تشریح

اِس کے بعد مَیں نہایت اختصار کے ساتھ منفی قسم کی حدیثوں کو نمبروار لیتا ہوں۔ اِس میدان میں سب سے پہلے ہمارے سامنے یہ حدیث آتی ہے کہ لَا نبیَّ بعدی (یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں) اِس حدیث پر ہمارے مخالفوں کا بڑا زور ہے کہ دیکھو کس طرح رسولِ پاکؐ نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ اور اُنہوں نے اِس حدیث کو اپنی تحریروں اور تقریروں میں بار بار بیان کر کے اور اس کی غلط تشریحات پیش کر کے گویا عوام النّاس کے دِل و دماغ پر ایک گونہ سحر کر رکھا ہے لیکن انشاء اللہ خدا کے فضل اور اُس کے رسولؐ کی برکت سے یہ طلسم زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا۔

بات یہ ہے کہ لا نبیّ بعدی کے لفظی معنی بے شک یہی ہیں کہ ''میرے بعد کوئی نبی نہیں'' لیکن اِس بات کو ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے کہ بعض اوقات لا (یعنی نہیں) کے لفظ سے ایک بات کی نفی کی جاتی ہے۔ مگر اس سے عام نفی مُراد نہیں ہوتی بلکہ محدود قسم کی نفی مُراد ہوتی ہے۔ جیسے قواعد

عربی کے محاورہ میں نفی جنس کہتے ہیں۔ اُردو زبان میں اس کی مثال یوں سمجھی جا سکتی ہے کہ مثلاً اگر کسی سکول کا ہیڈ ماسٹر خاص طور پر اعلیٰ اور ممتاز قابلیّت کا ہو اور اس علاقہ کے دوسرے ہیڈ ماسٹر اس کے مقابل پر معمولی قابلیّت کے لوگ ہوں تو بسا اوقات اِس قسم کے الفاظ کہہ دیئے جاتے ہیں کہ ”ہیڈ ماسٹر تو بس یہی ہے اور اس کے سوا کوئی ہیڈ ماسٹر نہیں“۔ اِس سے مُراد ہرگز یہ نہیں ہوتی کہ اُس کے سوا کوئی ہیڈ ماسٹر ہی نہیں بلکہ مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اِس علاقہ میں اِس قابلیّت کا یا اِس قسم کا یا اِس شان کا کوئی اور ہیڈ ماسٹر نہیں۔ یہ محاورہ جو ہر زبان مین پایا جاتا ہے ایسا عام اور ایسا معروف ہے کہ کوئی سمجھدار انسان اِس کا انکار نہیں کر سکتا۔ مگر ہمیں اس بحث میں دوسرے لوگوں کے محاورہ کا سہارا ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ خود ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے اِس محاورہ کی ایک ایسی مثال بیان فرمادی ہے جس سے اِس ساری بحث کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اذاھلک قیصر فلا قیصر بعدہٗ واذا ھلک کِسریٰ فلا کِسریٰ بعدہٗ۔

(بخاری کتاب الایمان والنذور)

”یعنی جب موجودہ قیصر شہنشاہِ روم مرجائے گا تو اِس کے بعد کوئی اَور قیصر نہیں ہوگا۔ اور جب موجودہ کسریٰ شہنشاہِ ایران مرجائے گا تو اس کے بعد کوئی اور کسریٰ نہیں ہوگا“۔

اب دیکھو کہ اس حدیث میں قیصر اور کسریٰ کے الفاظ بظاہر بالکل مطلق اور عام ہیں، اور اُن کیساتھ کوئی شرط یا قید یا حد بندی نہیں لگائی گئی مگر باوجود اس کے مراد اس جگہ خاص قسم کے قیصر و کسریٰ ہیں نہ کہ عام۔ کیونکہ جن قیصر اور کسریٰ کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے تھے اُن کے بعد بھی کئی قیصر و کسریٰ ہوتے رہے۔ بلکہ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے قیصر کی حکومت تو اسکے پانچ چھ سو سال بعد تک جاری رہی۔ اِس لئے اِس جگہ تمام محققین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ ان الفاظ کے استعمال کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ نہیں تھا کہ جب یہ موجودہ قیصر و کسریٰ مر جائیں گے تو اُن کے بعد کوئی اَور قیصر و کسریٰ ہوں گے ہی نہیں بلکہ مطلب

صرف یہ تھا کہ ان کے بعد اِس رُتبہ اور اس شان اور اس قسم کی وسیع حکومت والے قیصر و کسریٰ نہیں ہوں گے (مثال کیلئے دیکھو فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۴۰۷)

بعینہٖ اِسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے کہ لَا نبیّ بعدی (یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں) تو اس سے بھی آپؐ کا منشاء صرف یہ تھا کہ میرے بعد میری طرح کا کوئی صاحبِ شریعت نبی یا مستقل نبی نہیں ہوگا۔ نہ یہ کہ مطلقاً کوئی نبی ہوگا ہی نہیں۔ اِس خیال کی تشریح کے لئے آپؐ نے گویا خود مثال دیکر وضاحت فرمادی کہ دیکھو جس طرح مَیں نے لا نبی بعدی کے الفاظ استعمال کئے ہیں بعینہٖ اِسی طرح مَیں نے اذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہٗ کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں۔ پس جس طرح لا قیصر بعدہٗ کے معنی محدود تھے اور مُراد صرف یہ تھی کہ اِس موجودہ قیصر کے بعد کوئی اِس رُتبہ کا یا اِس قسم کا قیصر نہیں ہوگا۔ اِسی طرح لانبیّ بعدی کے معنی بھی محدود ہیں۔ اور مُراد یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی میری طرح کا صاحبِ شریعت اور مستقل حیثیت رکھنے والا نہیں ہوگا۔ یہ ایک اتنی صاف اور سیدھی بات ہے کہ کوئی دانا انسان اِس میں شُبہ نہیں کرسکتا۔

بَعْدِیْ کے لفظ کی تشریح

علاوہ ازیں اِس حدیث میں بَعْدِی (یعنی میرے بعد) کا لفظ بھی خاص طور پر قابلِ غور ہے۔

اِس کے متعلق جاننا چاہئے کہ عربی زبان میں بعد کا لفظ تین مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے:-

اوّل ظرفِ مکانی کے لحاظ سے بعد کا استعمال۔ اِس صورت میں بعد کے معنی ’’پیچھے‘‘ کے ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ مثلاً ایک عمارت کے ’’پیچھے‘‘ یعنی اس کے عقب میں دوسری عمارت ہوتی ہے۔

دوم ظرفِ مکانی ہی کی دوسری صورت وہ ہے جس میں بعد کا لفظ استعارہ کے طور پر ’’مقابل‘‘ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی ایک چیز کو چھوڑ کر اور گویا اس سے آگے گذر کر کسی ایسی دوسری چیز کو اختیار کیا جائے جو اس کے پیچھے ہے۔ جیسے کہ مثلاً قرآن مجید فرماتا ہے کہ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ۝ یعنی خدا اور اس کی آیات کے بعد (یعنی اُنہیں چھوڑ کر یا ان کے مقابل پر) لوگ کس حدیث کو مانیں گے؟

سوم: زمانہ کے لحاظ سے بعد کا استعمال جسے عربی زبان میں ظرفِ زمانی کہتے ہیں۔ جس طرح مثلاً ایک چیز کے گذر جانے اور اس کا زمانہ ختم ہو جانے کے بعد دوسری چیز آتی ہے۔ یہ تینوں معنی لغت عربی اور محاورہ زبان کی رُو سے قطعی طور پر ثابت ہیں۔ اور کوئی شخص ان کے انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔

سو اِس جگہ پہلے معنی کی بحث میں تو ہمیں جانے کی چنداں ضرورت نہیں، کیونکہ جہاں تک موجودہ بحث کا تعلق ہے یہ معنی صرف ایک مخصوص حدیث سے تعلق رکھتے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے سفر پر جاتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تم اِس سفر میں میرے لئے ہارون کی طرح ہو۔ (یعنی جس طرح حضرت موسیٰؑ اپنے ایک سفر میں اپنے بعد ہارون نبی کو چھوڑ گئے تھے اِس طرح مَیں تمہیں اِس سفر میں اپنے پیچھے چھوڑ رہا ہوں) غیر انّہٗ لَانبیّ بعدی مگر فرق یہ ہے کہ موسیٰؑ کے سفر میں اُن کے بعد ایک نبی قائم مقام بنا تھا۔ مگر مَیں اِس سفر میں اپنے بعد کسی کو نبی نہیں چھوڑ رہا۔ اِس حدیث میں بعد کا لفظ صریح طور پر ظرفِ مکانی کی صورت میں استعمال ہوا ہے اور مطلب بھی واضح ہے کہ اس جگہ صرف حضرت علیؓ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ میں ٹھہرے تھے غیر نبی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ حدیث صرف ایک منفرد اور مخصوص واقعہ کے متعلق ہے اور لا نبیّ بعدی کے الفاظ اِس کے علاوہ بعض دوسری حدیثوں میں کسی خاص واقعہ کے تعلق کے بغیر بھی آئے ہیں اس لئے مجھے اِس مخصوص حدیث کی بحث میں جانے اور اس کی آڑ لینے کی ضرورت نہیں۔ مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ اِس مخصوص واقعہ کے علاوہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض جگہ لا نبیّ بعدی یا اس سے ملتے جُلتے الفاظ فرمائے ہیں۔ اور ہماری اصل بحث انہی عام مواقع کے ساتھ تعلق رکھتی ہے نہ کہ حضرت علیؓ والے مخصوص واقعہ کے ساتھ۔

دوسرے معنی بعد کے لفظ کے یہ ہیں کہ ایک بات چھوڑ کر کسی دوسری بات کو اختیار کیا جائے جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ○ (یعنی لوگ خدا اور اس کی آیات کو چھوڑ کر کس حدیث کو مانیں گے؟) اِن معنوں کے لحاظ سے بھی حدیث لا نبیّ

بعدی کا مطلب بالکل صاف ہے کیونکہ اِس صورت میں اِس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اب کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو میری شریعت کو چھوڑ کر اور اسے منسوخ کر کے کوئی اور شریعت لائے بلکہ جو بھی آئے گا میرا تابع اور میری شریعت کا خادم ہو کر آئے گا اور میرے جھنڈے کے نیچے ہوگا۔

تیسرے معنی بعد کے جو ظرفِ زمانی سے تعلق رکھتے ہیں یہ ہیں کہ ایک چیز کے گذر جانے اور اس کا زمانہ ختم ہو جانے کے بعد دوسری چیز ظاہر ہو۔ یعنی وقت کے لحاظ سے دونوں آگے پیچھے ہوں۔ اِس صورت میں حدیث **لا نبی بعدی** کے یہ معنی ہوں گے کہ ”میرا زمانہ گذرنے کے بعد کوئی اَور نبی نہیں“۔ اب دیکھو کہ یہ معنی بھی کتنے صاف اور کتنے واضح ہیں۔ کیونکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپؐ کے زمانہ کو ختم کر کے نیا دَور شروع کر دے۔ اور اِس لحاظ سے بھی قطعاً کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ بات مسلّم ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ایک دائمی شریعت لے کر مبعوث ہوئے تھے اور آپؐ کا زمانہ قیامت تک پھیلا ہوا ہے جیسا کہ آپؐ نے بار بار صراحت فرمائی ہے حتیٰ کہ ایک موقع پر آپؐ نے اپنا دستِ مبارک اُٹھا کر اور اسکی دو انگلیاں باہم ملا کر تاکید کے رنگ میں فرمایا کہ:-

بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ نازعات)

”یعنی مَیں اور قیامت اِس طرح ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں جس طرح کہ میرے ہاتھ کی یہ دو اُنگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ اور اُن کے درمیان کوئی رخنہ نہیں“۔

رسول پاکؐ کی نبوّت کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے

سو جب آپؐ کا زمانہ قیامت تک پھیلا ہوا ہے تو لازماً ظرفِ زمانی کی صورت میں **لا نبیّ بعدی** کے یہی معنی لئے جائیں گے کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو میرے زمانہ کو ختم کر کے کسی نئے دَور کی بنیاد رکھ دے کیونکہ میرا زمانہ قیامت تک ہے۔ افسوس صد افسوس کہ ہمارے مخالفین اپنی کوتاہ نظری سے بعدی کے مفہوم کو بلا وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی زندگی کے

ساتھ محدود کر رہے ہیں حالانکہ آپ کا منشاء یہ تھا اور یہی آپ کی ارفع شان کے مطابق ہے کہ میرا زمانہ نبوّت قیامت تک پھیلا ہوا ہے اور اس کے بعد یعنی اس کے دامن کو کاٹ کر اور اس کے دَور کو ختم کر کے کوئی نبی نہیں آسکتا۔ عزیزو اور دوستو! سوچو اور غور کرو کہ بعد کا مفہوم سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آپ کی نبوّت کا دَور ختم ہو اور آپ کی شریعت کو منسوخ کر کے کوئی دوسرا نبی ظاہر ہو جائے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آپ کی نبوّت کا دَور قیامت تک چلتا ہے۔ اور کبھی ختم نہیں ہوگا۔ یہ وہ لطیف اور پُر حکمت مضمون ہے جو حدیث **لا نبیّ بعدی** میں بیان کیا گیا ہے۔ مگر افسوس کہ اِس زمانہ کے ظاہر پرست اور کوتاہ بین لوگوں نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی زندگی کے ساتھ محدود کر کے اسے اس کے اَرفع مقام سے نیچے گرا دیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہم پورے شرح صدر کے ساتھ حدیث **لا نبیّ بعدی** پر ایمان لاتے اور اس بات کا برمَلا اعلان کرتے ہیں کہ واقعی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ آپ کے چشموں کا پانی خشک ہو گیا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کی نبوّت کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے۔ اور اَب جو بھی آئے گا وہ آپ کی نبوّت کے دامن میں لپٹا ہوا آئے گا۔ اور اس کی نبوّت آپ کی نبوّت کے اندر ہوگی نہ کہ اس کے بعد یا باہر۔ کیونکہ اب کسی ماں کے بیٹے میں یہ طاقت نہیں خواہ وہ مسیح ناصریؑ ہو یا کوئی اور کہ وہ قیامت سے پہلے آپ کی نبوّت کے دَور کو کاٹ کر اور آپ کی ختمِ نبوّت کی مہر کو توڑ کر سریرِ رسالت پر قدم رکھے۔ ہمارا آقا اوّلین و آخرین کا سردار اور سیدِ وُلدِ آدم ہے، جو نبی اس سے پہلے گذرے وہ اُس کی تیاری کے لئے آئے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے کہ **كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ**۔ اور جو اس کے بعد آئے گا وہ اُس کا خادم اور خوشہ چین اور ظلّ بن کر آئے گا۔ یہی آیت خاتم النبیین اور حدیث **لا نبیّ بعدی** کی حقیقی تفسیر ہے۔ مگر افسوس کہ اس زمانہ کے ظاہر پرست لوگ اَرفع حقائق کو چھوڑ کر سطحی باتوں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حدیث **لا نبیّ بعدی** بے شک درست اور صحیح ہے اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں مگر اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ:-

(۱) اب کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا جو میری شریعت کو چھوڑ کر اور اسے منسوخ کر کے کوئی اور شریعت قائم کرے۔ کیونکہ میری شریعت دائمی ہے جس کے بعد کوئی اور شریعت نہیں۔

(۲) میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا جو میرے زمانہ نبوّت کو کاٹ کر اور میری نبوّت کے دَور کو ختم کر کے کوئی نیا دَور شروع کر دے۔ بلکہ جو بھی آئے گا میری ہی شاخ بن کر آئے گا۔ اور میرے ہی نورِ نبوّت سے فیض یافتہ ہوگا۔ اِس لئے اس کی نبوّت میری نبوّت کے اندر ہوگی نہ کہ اس کے بعد یا باہر۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ کا فیصلہ کُن ارشاد

یہی وہ لطیف تشریح ہے، جس کی اُمّتِ محمدیہؐ کے بڑے بڑے صلحاء اور علماء ہر زمانہ میں تائید کرتے آئے ہیں حتٰی کہ ہمارے رسول پاکؐ کی محبوب بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی فرماتی ہیں کہ:-

قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَاتَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔ (تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵ ودرِ منثور جلد ۵)

’’یعنی اَے لوگو تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ تو کہا کرو کہ آپؐ خاتم الانبیاء ہیں۔ مگر یہ نہ کہا کرو کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں‘‘۔

اللہ اللہ! ہماری مادرِ مشفق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خیال کہاں پہنچا ہے جس کی گرد کو بھی آج کا مولوی نہیں پا سکتا۔ فرماتی ہیں اور کس لطیف انداز میں فرماتی ہیں کہ حدیث **لا نبیّ بعدی** کے معنی سمجھنے میں جلد باز لوگوں کو غلطی لگ سکتی ہے۔ اور وہ اس کی تہہ تک نہ پہنچنے کی وجہ سے یہ گمان کر سکتے ہیں کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا دروازہ کلّی طور پر بند ہو چکا ہے اِس لئے تم اَے مسلمانو اِس ٹھوکر سے بچنا اور **لا نبی بعدی** کی حدیث کی بجائے آیت خاتم النبیین کی طرف نگاہ رکھنا۔ کیونکہ اس میں ساری حقیقت کا خلاصہ آ گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ امکانی طور پر حدیث **لَا نبیّ بعدی** کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو ہمارے مخالف کرتے ہیں یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوّت کا دروازہ کلّی طور پر بند ہو چکا ہے اور دوسرے وہ معنی جو ہم کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے دَورِ نبوّت کو منسوخ کرنے والا نبی نہیں آ سکتا۔ مگر آپؐ کی اتباع اور شاگردی میں آپؐ

کی مُہر تصدیق کے ساتھ ظلّی اور اُمّتی نبی آ سکتا ہے۔ اور یہ بعینہٖ وہی مفہوم ہے جو آیت خاتم النبیین میں بیان ہوا ہے۔ جس کے متعلق ہم اُوپر بحث کر آئے ہیں۔ اب دیکھو کہ ہماری مادرِ مشفق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کس وضاحت اور کس لطافت کے ساتھ ہمارے معنوں کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ لوگو! تم لا نبیّ بعدی کی حدیث کے الفاظ سے غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہو۔ اس لئے اس کی جگہ آیت خاتم النبیین کے مفہوم کو مدِّ نظر رکھو تا ٹھوکر سے بچے رہو۔ اور آیت خاتم النبیین کا مفہوم کیا ہے۔؟ یہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کی مُہر ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی صاحبِ شریعت یا مستقل نبی نہیں آ سکتا۔ کیونکہ اس سے ختمِ نبوت کی مُہر ٹوٹتی ہے۔ مگر ظلّی اور اُمّتی نبی جو آپؐ کے نُور سے نُور پائے اور آپؐ کے فیض سے فیضیاب ہو آ سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی نبوّت آپؐ کی شریعت کے تابع اور آپؐ ہی کا حصّہ ہے۔

مَیں حیران ہوتا ہوں اور میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی کہ اس بزرگ خاتون اور مومنوں کی مادرِ مشفق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خیال کس گہرائی تک پہنچا ہے کہ آنے والے خطرات کو چودہ سو سال پہلے بھانپ کر فرماتی ہیں کہ دیکھو حدیث لا نبیّ بعدی کے وہ معنی نہ کرو جو آیت خاتم النبیین کے خلاف ہیں بلکہ وہ معنی کرو جو اس آیت کے مطابق ہیں۔ اور اس طرح ضمناً آیت خاتم النبیین کی تشریح بھی کر جاتی ہیں کہ اس آیت میں نبوّت کے بند ہونے کا ذکر نہیں بلکہ سرورِ کائناتؐ کی مُہرِ تصدیق کے ساتھ آپؐ کے واسطہ سے انعاماتِ الٰہی کے جاری ہونے کا ذکر ہے۔ اللّٰھُمّ صلّ علٰی محمّدٍ وّعلیٰ آلِ محمّدٍ وعلیٰ ازواج محمّدٍ وبارک وسلم۔

حضرت امام شعرانی کا حوالہ

میرا یہ مضمون میرے اندازے سے بہت لمبا ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے اب اس حدیث کی بحث کے تعلق میں صرف ایک اُور حوالہ پیش کر کے دوسری حدیثوں کو لیتا ہوں۔ حضرت امام شعرانیؒ (وفات ۹۷۶ ہجری) فرماتے ہیں:-

قولہٗ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فلا نبیّ بعدی ولا رسول المُراد بہٖ لا

مشرّع بعدی۔ (الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۷)

''یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں اِس سے صرف یہ مُراد ہے کہ میرے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں آسکتا''۔

حضرت امام شعرانی کی یہ تشریح بالکل صاف اور واضح ہے جس میں کوئی عقلمند شخص ایک لمحہ کے لئے بھی شک نہیں کرسکتا۔ اور اگر اس جگہ کوئی کج بحث اِنسان ہمیں حضرت مُلّا علی قاریؒ والے حوالے کی طرح جو ہم حدیث **لو عاش ابراھیم لکان صدّیقًا نبیًّا** کے ضمن میں اُوپر بیان کر آئے ہیں اِس بحث میں گھسیٹنا چاہے کہ نبوّت کے متعلق حضرت امام شعرانی کا ذاتی مذہب تو یہ تھا یا وہ تھا تو یہ ایسے شخص کی صریح نادانی یا بددیانتی ہوگی۔ کیونکہ جیسا کہ ہم حضرت ملا علی قاریؒ والے حوالہ کی بحث میں صراحت کے ساتھ بیان کرچکے ہیں ہمیں اِس جگہ اس بحث سے کوئی غرض نہیں کہ کسی نبی کے آنے یا نہ آنے کے متعلق امام شعرانیؒ کا مذہب کیا تھا۔ بلکہ ہمیں اس جگہ صرف اِس سوال سے سروکار ہے کہ امام صاحب کے نزدیک **لا نبیّ بعدی** کی تشریح کیا تھی۔ اور یہ تشریح یقیناً یہی تھی کہ **لا مُشرّع بعدہٗ** یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نئی شریعت والا نبی نہیں آسکتا۔ پس خدا کے لئے مخلوق خدا کو دھوکا دینے کے طریق خلطِ مبحث سے کام نہ لو۔ کیونکہ اِس جگہ ہماری بحث امام شعرانی کے دوسرے معتقدات کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ صرف اِس محدود سوال کے متعلق ہے کہ اُن کے نزدیک حدیث **لا نبی بعدی** کی تشریح کیا تھی۔ اور یہ بات ان کے اس حوالہ سے جو اُوپر درج کیا گیا ہے اظہر من الشّمس ہے کہ ان کی تشریح یہی اور فقط یہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شارع نبی نہیں آسکتا وھوالمُراد۔

ہر نبی کے لئے نئی شریعت کا لانا ضروری نہیں!

باقی اگر بالفرض (اَور مَیں یہ بات پھر صرف فرض کے طور پر کہہ رہا ہوں) امام شعرانی ک ذاتی خیال یہی تھا کہ نبی وہی ہوتا ہے جو نئی شریعت لائے تو یہ خیال کسی طرح درست نہیں۔ کیونک

قرآن مجید صریح الفاظ میں فرماتا ہے کہ:-

> وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بالرُّسُلِ (اور پھر فرماتا ہے) اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْراةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا۔
>
> (سورۂ بقرہ آیت ۸۸ و سورۂ مائدہ آیت ۴۵)
>
> ”یعنی ہم نے موسیٰ پر کتاب نازل کی اور پھر موسیٰ کے بعد اس کی اتباع میں پے در پے رسول بھیجے..... اور ہم نے موسیٰ پر تورات اُتاری تھی جس میں بنی اسرائیل کے لئے ہدایت اور نور تھا اور اسی کی شریعت کو تسلیم کر کے اور اسی کی ہدایت کے مطابق موسیٰ کے بعد آنے والے نبی یہودی قوم میں دینی مسائل کا فیصلہ کیا کرتے تھے“۔

یہ ایک بالکل واضح اور صریح آیت ہے جس کے مفہوم کے متعلق کسی شک کی گنجائش نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی بہت سی دوسری آیات بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں اور حدیث سے بھی اسی کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی گذرے ہیں جن میں سے شریعت لانے والے رسول صرف تین سو پندرہ تھے (مسند احمد بحوالہ مشکوٰۃ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۳۵۲) اور پھر واقعات کی شہادت بھی اسی کی تائید میں ہے کیونکہ دنیا کی تاریخ میں کثیر تعداد ایسے نبیوں کی نظر آتی ہے جنہیں کوئی نئی شریعت نہیں دی گئی بلکہ وہ صرف سابقہ شریعت کی خدمت اور لوگوں کی ایمانی اور عملی اصلاح کے لئے مبعوث کئے جاتے تھے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت داؤد اور سلیمان اور زکریا اور یحیٰ علیہم السلام مبعوث ہوئے اور عقلاً بھی یہی بات درست معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ نبیوں کا سلسلہ جاری کرنے میں خدا تعالیٰ کی اصل غرض اصلاحِ خلق ہے خواہ یہ اِصلاح نئی شریعت کے نزول کے ذریعہ ہو یا کہ سابقہ شریعت کی تجدید کے ذریعہ ہو۔ پس اِس قطعی فیصلہ کے ہوتے ہوئے جس پر قرآن مجید اور حدیث اور تاریخ اور عقل سب کی متفقہ شہادت ثبت ہے یہ خیال ہرگز نہیں کیا جا سکتا کہ امام شعرانی یا کسی اَور ذمہ دار بزرگ کا یہ عقیدہ ہو سکتا ہے کہ ہر نبی کے لئے نئی شریعت کا لانا ضروری ہے۔ بلکہ اَغلب

یہ ہے کہ ہماری اِصطلاح کے مطابق جو ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں (ولکلٍّ ان یصطلح) امام صاحبؒ کا عقیدہ بھی یہی ہوگا کہ دراصل حقیقی نبوّت صرف شریعت والی نبوّت ہوتی ہے، کیونکہ لازماً اسی سے ہر سلسلہ نبوّت کا آغاز ہوتا ہے اور نبوّت کی باقی اقسام اس کے پیچھے آتی ہیں نہ یہ کہ باقی اقسام نبوّت کی اقسام ہی نہیں ہوتیں۔

الغرض لا نبیّ بعدی کی حدیث بالکل برحق ہے اور ہم اسے پورے شرح صدر کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا سلسلہ بالکل بند ہے۔ بلکہ اس کا منشاء صرف یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے اِس لئے آپؐ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپؐ کی شریعت کو منسوخ کرے یا آپؐ کی اُمّت میں سے نہ ہو۔ بلکہ وہی اور صرف وہی آسکتا ہے جس کا رستہ خاتونِ جنّت اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے عقیدہ کے مطابق آیت خاتم النّبیین کے ذریعہ کھولا گیا ہے یعنی ظلّی اور اُمّتی نبی جو رسولِ پاکؐ کی مُہر پا کر نبوّت کے مقام کو پہنچے۔

حدیث اِنّی آخر الانبیاء کی تشریح

دوسری حدیث جو ہمارے مخالف خیال اصحاب کی طرف سے پیش کی جاتی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد پر مشتمل ہے کہ اِنّی آخر الانبیاء (یعنی مَیں آخری نبی ہوں)۔ اِس حدیث کو پیش کر کے کہا جاتا ہے کہ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فیصلہ فرما دیا ہے کہ مَیں آخری نبی ہوں اور آپؐ کے فیصلہ کے بعد کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔ اِس کے جواب میں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح ہم اِس بات کو قبول کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ نبوّت گذرنے کے بعد کوئی نبی نہیں اِسی طرح ہم پورے شرح صدر کے ساتھ اِس بات پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ حقیقۃً آپؐ ہی آخری نبی ہیں۔ اور ہم نے کبھی اِس سے انکار نہیں کیا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے مخالف اصحاب ہمارے نظریہ کو سمجھنے کی کوشش کرنے کے بغیر بلکہ بعض صورتوں میں دیدہ دانستہ ہمارے خلاف یہ الزام لگاتے چلے جاتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں مانتے۔ حالانکہ جن معنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو آخری نبی قرار دیا ہے ان معنوں میں ہم آپؐ کو بلاشک وشبہ آخری نبی یقین کرتے ہیں ولعنۃ اللہ علیٰ من کذب۔

تین قسم کے نبی

دراصل سارا دھوکا اِس وجہ سے لگ رہا ہے کہ کبھی بھی سنجیدگی کے ساتھ اِس بات پر غور نہیں کیا گیا کہ ہم بانی سلسلہ احمدیہ کو کس قسم کا نبی مانتے ہیں۔ اور محض نبی کا لفظ سُن کر شور مچا دیا جاتا ہے کہ لیجیو دَوڑیو غضب ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوّت ٹوٹ گئی اور رسولِ پاکؐ کی جگہ ایک اَور شخص کو آخری نبی قرار دے دیا گیا! کاش ہمارے بھٹکے ہوئے دوست چند منٹ تحمّل اور صبر سے کام لیکر اور اپنے دل کی تختی کو صاف کر کے اس بات پر غور کریں کہ نبوّت کس چیز کا نام ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسی نہر بند کی ہے اور کونسی نہر کھولی ہے! اگر ہمارے ناظرین بھول گئے ہوں تو مَیں پھر اس بات کو دہرا دیتا ہوں کہ جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث اور تاریخ سے ثابت ہے نبوّت تین قسم کی ہے:-

(اوّل) تشریعی نبوّت جس کے ساتھ کوئی نئی شریعت نازل ہوتی ہے اور نبوّت میں ایک نئے دَور کا آغاز ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰ کی نبوّت تھی جن پر تورات کی شریعت نازل ہوئی یا جس طرح ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت تامّہ کاملہ تھی۔ جن پر قرآن مجید کی دائمی شریعت کا نزول ہوا۔ اس قسم کی نبوّت تشریعی بھی ہوتی ہے اور مستقل بھی۔ تشریعی اس لئے کہ اس کے ساتھ نئی شریعت کا نزول ہوتا ہے۔ اور مستقل اِس لئے کہ وہ سابقہ نبی کی اتباع اور پیروی کے بغیر براہِ راست عطا کی جاتی ہے۔ اور اسی لئے اِس قسم کی نبوّت بعض اوقات حقیقی نبوّت کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔

(دوم) غیر تشریعی مستقل نبوّت جس کے ساتھ کوئی نئی شریعت تو نازل نہیں ہوتی۔ مگر ویسے وہ کسی سابقہ نبی کی پیروی کے بغیر براہِ راست خدا کی طرف سے ملتی ہے اور اسی لئے اس کا نام

مستقل نبوّت رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ ایسی نبوّت کسی سابقہ نبوّت کے سہارے پر قائم نہیں ہوتی بلکہ خود اپنے پاؤں پر کھڑی ہوتی ہے۔ اور یاد رہے کہ اس جگہ مستقل کا لفظ عارضی کے مقابل پر نہیں ہے بلکہ آزاد کے معنی میں ہے اِس نبوّت کی مثال ایسی ہے جیسی کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت داؤدؑ یا حضرت سلیمانؑ یا حضرت یحییٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ کی نبوّت تھی۔ یہ بزرگ نبی بے شک موسوی شریعت کے تابع تھے۔ لیکن اُنہیں حضرت موسیٰؑ کی پیروی کی برکت سے نبوّت نہیں ملی تھی بلکہ آزاد طور پر مستقل حیثیت میں نبوّت ملی تھی اور اس کے بعد وہ خدا کی طرف سے موسوی شریعت کی خدمت میں لگا دیئے گئے تھے۔

(سوم) غیر تشریعی غیر مستقل نبوّت جو دوسرے لفظوں میں ظلّی نبوّت کہلاتی ہے۔ ایسی نبوّت کے ساتھ نہ تو کوئی نئی شریعت ہوتی ہے اور نہ ہی یہ نبوّت کسی سابق تشریعی نبی کی پیروی سے آزاد ہو کر براہِ راست ملتی ہے۔ بلکہ وہ محض سابق نبی کی پیروی سے اور اسی کی شاگردی میں اور اسی کے فیض سے فیض پا کر ظلّی طور پر ملتی ہے۔ اور چونکہ ظلّ کے معنی عکس کے ہیں اس لئے ایسی نبوّت گویا سابق نبی ہی کی نبوّت کا حصہ ہوتی ہے نہ کہ کوئی علیحدہ چیز نبوّت کی یہ قسم جس کا حامل اُمّتی نبی کہلاتا ہے صرف ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظاہر ہوئی ہے۔ کیونکہ آپؐ سے پہلے کوئی نبی اس مقام کو نہیں پہنچا تھا۔ اور نہ کسی شریعت کو ایسا کمال حاصل ہوا تھا کہ اس کی پیروی کسی شخص کو نبوّت تک پہنچا سکتی۔

رسول پاکؐ بہر حال آخری نبی ہیں

اِس تشریح سے جو ہم اِس رسالہ میں بار بار کر چکے ہیں ظاہر ہے کہ جہاں تک پہلی دو قسم کی نبوّت کا سوال ہے (یعنی نبوّتِ تشریعی اور نبوّت مستقلہ) ان میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا بالکل ظاہر وعیاں ہے، جس میں کسی شخص کو کلام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ بات مسلّمہ فریقین ہے کہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی تشریعی نبی آسکتا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا نبی آسکتا ہے جس نے آپؐ کی پیروی کی وساطت کے بغیر نبوّت حاصل کی ہو۔ اور اِس لحاظ سے آپؐ

بہر صورت آخری نبی ہیں۔ باقی رہا تیسری قسم کی نبوّت کا سوال (یعنی ظلّی نبوّت) سو ہر شخص تھوڑے سے غور کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ اِس صورت میں بھی حقیقۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی آخری نبی رہتے ہیں کیونکہ آپ کی پیروی میں آپؐ کے فیض سے نبوّت پانے والا شخص آپؐ ہی کی شاخ اور آپ ہی کا حصّہ ہے نہ کہ کوئی جُدا گانہ چیز۔ اس کا وجود تو محض ایک آئینہ ہے جس میں چودھویں رات کے چاند کی طرح سورج کے انوار منعکس ہو گئے ہیں اور اِس سے زیادہ کچھ نہیں۔ پس اس صورت میں بھی بہر حال آپؐ ہی کو آخری نبی کہا جائے گا نہ کہ اُس کو جو آپؐ ہی کے نُور سے نُور پا کر روشنی دے رہا ہے اور وہ ظلّ ہے نہ کہ اصل۔

اِس کی مثال اِس طرح بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ ایک شخص نے ایک باغ لگایا اور اس میں طرح طرح کے درخت نصب کئے اور پھر اُس باغ کی تکمیل کے لئے اس میں ایک آخری درخت جو سب سے اعلیٰ اور سب سے اشرف اور سب سے بڑا اور سب سے زیادہ پھلدار تھا نصب کیا۔ لیکن ایک عرصہ کے بعد اِس آخری درخت کی جڑوں میں سے اسی کی ایک اَور شاخ پھوٹ آئی جو اُسی کا حصّہ اور اُسی کا بچہ تھی تو کیا اِس صورت میں اس شاخ کی وجہ سے اس درخت کا آخری ہونا باطل ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ اس شاخ کے باوجود اصل درخت ہی آخری درخت سمجھا جائے گا نہ کہ یہ شاخ جو اُسی کا حصّہ اور اسی کے ساتھ پیوست ہے۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ہمارے مخالف اصحاب تھوڑی سی توجہ دے کر اس چھوٹے سے نکتہ کو سمجھ لیں تو یہ سارا مسئلہ جو اُنہوں نے اپنی کج بحثی سے ایک گورکھ دھندا بنا رکھا ہے نصف النہار کی طرح روشن ہو کر ہمارے سامنے آ جائے گا اور کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔

آخری نبی اور آخری مسجد

مگر اِس معاملہ میں بھی ہمیں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ خود ہمارے آقا (فداہُ نفسی) نے اِس حدیث کی ایسی تشریح فرما دی ہے جس کے بعد کسی مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ حدیث جس میں انّی آخر الانبیاء کے الفاظ آتے ہیں اپنی مکمل ترین اور صحیح

ترین صورت میں صحیح مسلم میں بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اِنّی آخر الانبیاء و انّ مسجدی آخر المساجد۔ (صحیح مسلم باب فضل الصلوٰۃ مسجد المدینہ)

''یعنی مَیں آخری نبی ہوں اور میری یہ (مدینہ والی) مسجد آخری مسجد ہے''۔

ہزاروں ہزار درود اور سلام ہمارے رسول پاک پر ہوں جس نے ہمارے لئے ہر تاریک کونے میں ایک شمع ہدایت آویزاں کر رکھی ہے اور ہر ٹھوکر لگانے والے گڑھے میں سے ایک صاف رستہ گذار کر ہمیں گرنے سے محفوظ کر لیا ہے۔ اب یہی اِنّی آخر الانبیاء والی حدیث ہے جس کے متعلق بعض جلد باز اور کوتاہ نظر لوگ لغزش کھا سکتے ہیں کہ شاید ان الفاظ سے یہی مُراد ہو کہ آپؐ کے بعد کسی صورت میں کسی قسم کا نبی بھی نہیں آسکتا خواہ وہ آپ کا خادم اور آپ کا حصّہ ہی ہو تو آپؐ نے فوراً اس امکانی ٹھوکر کے قریب ایک روشن شمع نصب کر کے اپنی اُمّت کو ہوشیار کر دیا کہ اس جگہ اِنی آخر الانبیاء سے میری مراد اسی قسم کا آخری نبی ہے جس طرح کہ میری یہ (مدینہ والی) مسجد آخری مسجد ہے۔ اگر اِنّ مسجدی آخر المساجد (یعنی میری یہ مسجد آخری مسجد ہے) کے معنی یہ نہیں اور ہر گز نہیں کہ آئندہ دنیا میں کوئی اَور مسجد بنے گی ہی نہیں بلکہ صرف یہی معنی ہیں کہ آئندہ میری مسجد کے مقابل پر کوئی مسجد نہیں بنے گی بلکہ جو مسجد بھی بنے گی وہ میری مسجد کے تابع اور اُس کی نقل اور اُس کی ظلّ ہوگی کیونکہ میری شریعت دائمی ہے اور اس کے بعد کوئی اور شریعت نہیں تو لازماً اِنّی آخر الانبیاء (مَیں آخری نبی ہوں) کے بھی یہی معنی ہیں کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو مجھ سے آزاد رہ کر نبوّت کا انعام پائے بلکہ جو بھی ہوگا وہ میرا شاگرد اور تابع اور ظلّ ہوگا۔ اللہ اللہ! یہ کس شان کا کلام ہے اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دُور بین نظر کس حد تک پہنچی ہے کہ انّی آخر الانبیاء کے الفاظ میں جس غلط فہمی کا امکانی خطرہ مخفی تھا اُسے بھانپ کر فوراً اِن الفاظ کے ذریعہ دُور فرما دیا کہ مَیں اسی معنی میں آخری نبی ہوں جس معنی میں کہ میری یہ مدینہ والی مسجد آخری مسجد ہے۔

دوستوں اور عزیزو! خدا تمہاری آنکھیں کھولے سوچو اور غور کرو کہ اگر آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی مسجد کے بعد اسلامی ممالک میں لاکھوں کروڑوں مسجدوں کے بننے کے باوجود اِنّ مسجدی آخر المساجد کا مفہوم قائم رہتا ہے اور اس میں کوئی رخنہ نہیں پیدا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں آپؐ کے کسی خادم اور شاگرد اور خوشہ چین کا آپؐ کی اتّباع اور غلامی میں آپؐ کا ظلّ بن کر نبوّت کا انعام پانا کس طرح اِنّی آخر الانبیاء (یعنی مَیں آخری نبی ہوں) کے منشاء کے خلاف قرار دیا جا سکتا ہے؟ تم مانو یا نہ مانو بات وہی ہے جو ہم اُوپر لکھ آئے ہیں کہ ہمارا آقا (فداہُ نفسی) بہر حال آخری نبی ہے کیونکہ نبوّت کی جو اقسام (یعنی تشریعی نبوّت اور مستقل نبوّت) آپؐ کے آخری نبی ہونے کے مفہوم کو باطل کر سکتی ہیں، ان کا رستہ بہر صورت بند ہے۔ اور اس کے مقابل پر جس قسم کی نبوّت کا رستہ کھلا ہے (یعنی ظلّی نبوّت) اس کی وجہ سے آپؐ کے آخری نبی ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کاش دوسرے مسلمان اِس نکتہ کو سمجھیں! اے کاش وہ سمجھیں!!

آخری کے معنی کامل کے بھی ہیں

علاوہ ازیں آخری کے معنی عربی میں ایسے شخص کے بھی ہوتے ہیں جو اپنے فن میں آخری حد کو یعنی کمال کو پہنچ گیا ہو۔ اس کی مثالیں عربی نظم ونثر میں کثرت کے ساتھ ملتی ہیں۔ لیکن چونکہ ہم اپنی اس بحث کو جو پہلے ہی کافی لمبی ہوگئی ہے مزید طول نہیں دینا چاہتے اس لئے اس جگہ صرف ڈاکٹر سر محمد اقبال کے کلام سے اُردو کی ایک مثال پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اُمید ہے ہمارے ناظرین جن میں غالباً اکثر اقبال کے کلام اور فلسفہ کے دلدادہ ہوں گے اِس مثال سے ضرور فائدہ اُٹھائیں گے۔

علاّمہ اقبال فرماتے ہیں:۔

چل بسا داغؔ آہ میّت اس کی زیب دوش ہے
آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے

(بانگِ درا)

ظاہر ہے کہ اِس جگہ آخری شاعر سے حقیقۃً آخری شاعر مُراد نہیں۔ کیونکہ شاعری کا سلسلہ تو داغؔ کے بعد بھی جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا بلکہ ہمارے ملک کے ادیب خود ڈاکٹر اقبال کو

داغ سے بدر جہا بہتر شاعر خیال کرتے ہیں۔ پس اِس جگہ مراد صرف یہ ہے کہ ڈاکٹر اقبال کے نزدیک پُرانی شاعری کے میدان میں داغؔ فنِ شعر کی آخری حد یعنی کمال کو پہنچا ہوا شاعر تھا۔ اِس لحاظ سے آخرالانبیاء کے یہ معنی ہوں گے کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوّت کے میدان میں کمالاتِ نبوّت کی آخری حد کو پہنچے ہوئے تھے۔ اور یہ بھی اپنی جگہ بالکل صحیح اور بہت لطیف معنی ہیں۔

حدیث لو کان بعدی نبیٌّ لکان عمر کی تشریح

تیسری حدیث جو ہمارے مخالفین کی طرف سے پیش کی جاتی ہے اُس کے یہ الفاظ ہیں کہ **لو کان بعدی نبیٌّ لکان عمر**۔ ''یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا''۔ اِس حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ کیونکہ آپؐ نے صاف فرمادیا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی شخص نبی بن سکتا تو عمر ضرور نبی بن جاتا۔ لیکن چونکہ عمرؓ نبی نہیں بنے اِس لئے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا سلسلہ بالکل بند ہے۔ مگر غور کیا جائے تو یہ تشریح بھی تحقیق وتدقیق کی خوردبین کے نیچے درست ثابت نہیں ہوتی۔ ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ حدیث **لا نبیَّ بعدی** کی تشریح پیش کرتے ہوئے ہم نے بتایا تھا کہ عربی زبان میں لفظ بعد کے معنی ظرفِ مکانی کی صورت میں یہ بھی ہوتے ہیں کہ ایک چیز کو چھوڑ کر اس کی جگہ کسی دوسری چیز کو اختیار کرلیا جائے۔ جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ **فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ**o (سورۃ جاثیہ آیت ۷) ''یعنی خدا اور اس کی آیات کو چھوڑ کر لوگ کس حدیث کو قبول کریں گے؟'' بعد کے لفظ کا یہ محاورہ عربی زبان میں اس قدر عام اور معروف ہے کہ کسی مزید تشریح کا سوال نہیں۔ اور حق یہ ہے کہ قرآن مجید کی شہادت کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت بھی نہیں۔ پس اس تشریح کے ماتحت حدیث **لو کان بعدی نبیٌّ لکان عمر** کے یہ معنی بنتے ہیں کہ اگر مَیں نبی نہ بنتا تو میری جگہ عمرؓ نبی بن جاتا۔ اور یقیناً یہی معنی صحیح اور درست ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جیسا کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تھا کہ ایک حدیث کی امکانی غلط فہمی کو دوسری حدیث کے ذریعہ دُور فرمادیتے تھے آپؐ نے دوسری جگہ یہی حدیث اِن الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ:۔

لَوْلَمْ اُبْعَثْ فِيكُمْ لَبُعِثَ عُمَرُ۔ (ابن عدی بحوالہ کنوز الحقائق جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)

”یعنی اے مسلمانو اگر مَیں تم میں مبعوث نہ ہوتا تو میری جگہ عمر مبعوث ہو جاتا“۔

اب ان دونوں حدیثوں کو ملا کر دیکھو تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تشریح فرما دی ہے کہ جہاں مَیں نے یہ کہا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا وہاں میری مراد یہ ہے کہ اگر مجھے چھوڑ کر کوئی اور شخص نبی بنتا تو عمرؓ بنتا۔

حضرت عمرؓ میں تشریعی نبوّت کا جوہر موجود تھا!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام میں حکمت یہ ہے کہ ایک طرف تو آپؐ خود صاحبِ شریعت نبی تھے اور اپنے ساتھ ایک نیا الٰہی قانون لائے تھے۔ اور دوسری طرف تاریخ اور حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ میں بھی قانون سازی کا مادہ غیر معمولی طور پر زیادہ تھا۔ اور نہ صرف ان کی اپنی خلافت کا سارا زمانہ اِس بات پر گواہ ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی حضرت عمرؓ کے حالاتِ زندگی اِس بات کا واضح ثبوت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک نہایت اعلیٰ درجہ کے مقنّن تھے جن میں قانون سازی کا مادّہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ کسی معاملہ میں حضرت عمرؓ نے ایک رنگ میں مشورہ دیا اور دوسرے صحابہؓ نے دوسرے رنگ میں مشورہ دیا پھر جس طرح حضرت عمرؓ نے رائے دی تھی اسی کے مطابق کلامِ الٰہی نازل ہوا۔ (دیکھو بخاری و مسلم و زرقانی وغیرہ) پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اگر میری جگہ کوئی اَور شخص نبی بنتا تو عمرؓ بنتا تو اس میں یقیناً حضرت عمرؓ کی اِسی مخصوص اور نمایاں صفت کی طرف اشارہ تھا اور مطلب یہ تھا کہ چونکہ اس زمانہ میں نئے قانون شریعت کی ضرورت تھی اِس لئے اگر مَیں نہ آتا تو میری جگہ عمر آ جاتا۔ حضرت عمرؓ میں قانون سازی کا وصف اتنا نمایاں تھا کہ بڑے بڑے یورپین مؤرخوں نے بھی اُن کی قابلیت اور کارناموں پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔ پس نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دوسری حدیث جس میں آپؐ صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ”اگر مَیں مبعوث نہ ہوتا تو میری جگہ عمرؓ ہو جاتا“۔ بلکہ حضرت عمرؓ کے اپنے حالاتِ زندگی بھی اس

بات پر گواہ ہیں کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ یقیناً حضرت عمرؓ کے اس مخصوص وصفِ قانون سازی کی طرف تھا جس میں وہ دوسرے تمام صحابہؓ سے ممیّز وممتاز تھے۔

صحابہؓ میں حضرت ابوبکرؓ کا مقام سب سے افضل تھا

ہماری اِس تشریح کا مزید ثبوت یہ ہے کہ عام اوصاف کے لحاظ سے صحابہؓ میں بالاتفاق سب سے بڑا درجہ حضرت ابوبکرؓ کا مانا گیا ہے۔ حتیٰ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سب صحابہؓ میں افضل تھے۔ چنانچہ اس کے متعلق ایک حدیث اوپر درج کی جا چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اُمّت میں سب سے افضل درجہ ابوبکرؓ کا ہے سوائے اس کے کہ بعد میں کوئی نبی پیدا ہو جائے تو پھر باوجود اس کے حضرت ابوبکرؓ کو ترک کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا اِس بات کی یقینی اور قطعی دلیل ہے کہ یہاں حضرت عمرؓ کے کسی ایسے وصف کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جس میں وہ جزوی فضیلت کے طور پر حضرت ابوبکرؓ سے بھی بڑھے ہوئے تھے اور وہ یہی قانون سازی کی صفت تھی جس کا ثبوت وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دے چکے تھے اور ان کی خلافت کے ایام میں یہ صفت اَور بھی زیادہ نمایاں ہو کر چمکی۔ پس جس طرح بھی دیکھا جائے اس حدیث کے صرف یہی معنی ثابت ہوتے ہیں کہ یہاں بعد کے لفظ سے زمانہ کے لحاظ سے بعد مراد نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ اگر مجھے چھوڑ کر نبوّت کسی اور کو ملتی تو عمر کو ملتی کیونکہ اس میں ایک شارع نبی بننے کا جوہر موجود تھا۔

خلاصہ یہ کہ اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد مبعوث ہونے کا سوال نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم مقامی میں مبعوث ہونے کا سوال ہے اور اس پر مندرجہ ذیل چار قطعی دلیلیں گواہ ہیں جن کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

(۱) بعد کا لفظ عربی زبان میں کثرت کے ساتھ اس معنی میں آتا ہے کہ ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری چیز کو اختیار کیا جائے اور اس جگہ بھی بعد کے معنی یہی ہیں کہ اگر میری جگہ کوئی اَور نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔

(۲) آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خود اپنی دوسری حدیث بھی اسی تشریح کی تصدیق کرتی ہے کیونکہ اِس دوسری حدیث میں صاف مذکور ہے کہ اگر مَیں مبعوث نہ ہوتا تو میری جگہ عمر ہوتا۔

(۳) حضرت عمرؓ کے حالاتِ زندگی سے ثابت ہے کہ اُن میں قانون سازی کا وصف بہت ممتاز اور نمایا تھا اور چونکہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاحبِ شریعت نبی تھے اِس لئے اِس حدیث میں آپ کا یہی اشارہ تھا کہ چونکہ یہ شریعت کے نزول کا زمانہ ہے اس لئے اگر مَیں نہ مبعوث ہوتا تو میری جگہ عمر مبعوث ہو جاتا۔

(۴) نہ صرف اُمّت کے اجماع سے بلکہ خود آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ارشاد کے ماتحت بھی صحابہؓ کی مقدس جماعت میں بحیثیت مجموعی سب سے افضل درجہ حضرت ابوبکرؓ کا تھا۔ پس اگر مطلق نبوّت کا سوال ہوتا تو یقیناً اس کے حقدار حضرت ابوبکرؓ تھے نہ کہ حضرت عمرؓ۔ یہ اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ اِس حدیث میں حضرت عمرؓ کے ایک ایسے وصف کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا جس میں وہ جزوی فضیلت کے رنگ میں حضرت ابوبکرؓ سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔

حدیث اِنّ النّبوّۃ قد انقطعت کی تشریح

میرا یہ مضمون چونکہ زیادہ لمبا ہو گیا ہے اس لئے بقیہ احادیث کے متعلق صرف مختصر اشاروں پر اکتفا کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن مَیں اُمید کرتا ہوں کہ اِس وقت تک جو اصولی بحث اُوپر گذر چکی ہے وہ انشاء اللہ ہر عقل مند اور صاف دل اِنسان کے لئے کافی ہوگی کیونکہ اس اُصولی بحث کی مدد سے اُن ساری حدیثوں کو حل کیا جا سکتا ہے جو اِس مسئلہ کے متعلق ہمارے مخالفوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں حق تو یہ ہے کہ اُوپر والی بحث میں قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کی جو اُصولی تشریح پیش کی گئی ہے اس میں خدا کے فضل سے ایک ایسی ماسٹر کی (Master Key) یعنی عمومی کُنجی آ گئی ہے جس کے ذریعہ اِس میدان کے ہر بند قفل کو کھولا جا سکتا ہے۔ پس مَیں آئندہ صرف مختصر اشاروں پر اکتفا کر کے اپنے باقی ماندہ مضمون کو چند صفحوں میں ختم کرنے کی کوشش کروں گا **وَمَا تَوفِیقِی اِلّا بِاللّٰہِ العَظِیم۔**

اب جاننا چاہئے کہ اگلی حدیث جو اِس مسئلہ کے تعلق میں ہمارے مخالف اصحاب کی طرف سے پیش کی جاتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ اِنّ الرّسالۃَ و النّبوّۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی و لا نبیّ (یعنی اب رسالت اور نبوّت کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اور میرے بعد کوئی رسول اور کوئی نبی نہیں آئے گا)۔ اس حدیث کو پیش کر کے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اعلان فرما دیا ہے کہ اب نبوّت کا سلسلہ بند ہے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ لیکن ہر عقلمند انسان آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ اِس حدیث میں ہرگز کوئی نیا مضمون بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ بعینہٖ وہی مضمون ہے جو سابقہ حدیثوں میں مختلف طور پر بیان کیا جا چکا ہے۔ پس جو تشریح حدیث لا نبیّ بعدی اور حدیث اِنّی آخر الانبیاء وغیرہ کے متعلق اُوپر پیش کی جا چکی ہے وہی یقیناً اِس حدیث کے لئے بھی کافی وشافی ہے اور کسی مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

دراصل اِس حدیث میں جو الرّسالۃ اور النبوّۃ کے الفاظ الف لام کی تخصیص کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں ان سے جیسا کہ رئیس المحدّثین علامہ ابن حجر نے حدیث لم یبق من النبوّۃ الاّ المبشّرات کے ماتحت تشریح کی ہے (دیکھو فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۳۰۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کی تشریعی نبوّت مُراد ہے نہ کہ عام نبوّت۔ چنانچہ اس حدیث کے آخر میں آپؐ نے خود فلا رسول بعدی و لا نبیّ کے الفاظ بڑھا کر اِس بات کی طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ یہاں بھی میری مراد وہی ہے جو لا نبیّ بعدی والی حدیث میں بیان ہو چکی ہے۔ بہرحال اِس حدیث میں سابقہ حدیثوں سے زائد قطعاً کوئی بات نہیں بلکہ بعینہٖ وہی مضمون ہے جو حدیث لا نبیّ بعدی اور اِنّی آخر الانبیاء وغیرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے صرف تشریعی نبوّت اور مستقل نبوّت کا دروازہ بند ہوا ہے نہ کہ ظلّی نبوّت کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت ہی کا حصہ اور اسی کا عکس ہے نہ کہ کوئی غیر چیز۔

حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی کا لطیف حوالہ

چنانچہ یہی وہ تشریح ہے جو اسلام کے چوٹی کے علماء اور صلحاء ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں۔

مثلاً حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (وفات ۶۳۸ھ ہجری) فرماتے ہیں:۔

اِنّ النبوّۃ الّتی انقطعت بوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّما حی النبوّۃ التّشریع لا مقامھا.... وھذا معنیٰ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ الرسالۃ والنبوّۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبیّ اَی لا نبیًّ بعدی یکون علیٰ شرعٍ یخالف شرعی بل اذا کان یکون تحت حکم شریعتی۔

مطبوعہ مصر) ۳۷ باب ۲ (فتوحاتِ مکّیہ جلد

’’یعنی جہاں یہ بات کہی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کے ساتھ نبوّت کا سلسلہ بند ہو گیا ہے وہاں صرف تشریعی نبوّت مراد ہے جس کے لئے رسولِ پاکؐ کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ یہی اس حدیث کی تشریح ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اب رسالت اور نبوّت ختم ہو گئی ہے اور میرے بعد کوئی رسول اور نبی نہیں۔ اس سے آپؐ کی مراد صرف یہ تھی کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو میری شریعت کے خلاف کوئی اور شریعت لے کر مبعوث ہو بلکہ جب بھی کوئی آئے گا تو میری ہی شریعت کے ماتحت ہوگا‘‘۔

اب دیکھو کہ یہ حوالہ کتنا واضح اور کتنا صاف ہے اور پھر یہ حوالہ آج کا نہیں بلکہ آج سے سات سو سال پہلے کا ہے اور ہے بھی اُس شخص کا جو اسلام میں گویا ایک امام کا درجہ رکھتا ہے اور اگر اس حوالہ کے متعلق کسی شخص کے دل میں اس قسم کا شبہ پیدا ہو جو حضرت ملّا علی قاریؒ اور حضرت امام شعرانی کے حوالوں کے متعلق اُوپر کے صفحات میں بیان کیا گیا ہے تو وہ حدیث **لو عاش ابراھیم لکان صدّیقاً نبیًّا** اور حدیث **لا نبیّ بعدی** کی بحث کے ضمن میں میرا اُصولی نوٹ جو اسی قسم کے اعتراض کے جواب میں لکھا گیا ہے دوبارہ ملاحظہ کر لے اور اگر پھر بھی اس کا شبہ باقی رہے تو اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ **وانّک لا تھدی من احببتَ ولٰکن اللّٰہَ یھدی من یشاء۔**

حدیث مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کی تشریح

اس کے بعد مَیں اس حدیث کو لیتا ہوں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انّ مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجلٍ بنٰی بیتًا فاحسنہٗ و اجملہٗ الّا موضع لبنۃ من زاویۃ فجعل النّاس یطوفون بہٖ ویعجبون لہٗ ویقولون ھلّا وُضِعَتْ ھٰذہ اللبنۃ فقال انا اللبنۃ و انا خاتم النبیّٖن۔ یعنی ”میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک مکان بنایا اور اس میں ہر طرح کی خوبصورتی کا خیال رکھا۔ اور اُسے اچھی طرح سجایا مگر اس کے ایک کونہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی۔ لوگ اس مکان کے اردگرد گھومتے تھے اور اُسے دیکھ دیکھ کر تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اِس ایک اینٹ کی جگہ کیوں خالی رہ گئی ہے؟ پس مَیں ہی وہ اینٹ ہوں اور مَیں خاتم النبیین ہوں“۔

اِس حدیث کو پیش کر کے ہمارے مخالفین کہا کرتے ہیں کہ دیکھو نبوّت کی عمارت میں صرف ایک اینٹ کی کمی رہ گئی تھی اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے پوری کر دی۔ پھر اس کے بعد کس چیز کی گنجائش رہ جاتی ہے؟ مگر افسوس ہے کہ ہمارے بھٹکے ہوئے بھائیوں نے ہماری مخالفت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع شان کو بھی بھلا رکھا ہے اور اس حدیث کی غلط تشریح کر کے آپؐ کے درجہ کو گھٹا رہے ہیں۔ حالانکہ جو مثال اِس حدیث میں بیان کی گئی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا مقام بیان کرنا ہرگز مقصود نہیں۔ بلکہ صرف شریعت کی تکمیل کی طرف اشارہ کرنا اصل غرض ہے۔ اور حدیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ دنیا میں کئی صاحبِ شریعت نبی آئے اور ہر نئی شریعت کے نازل ہونے سے گویا نبوّت کی عمارت میں ایک مزید اینٹ لگتی گئی حتی کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے آخری اینٹ لگ کر شریعت کی عمارت مکمل ہو گئی۔ اور اسلامی شریعت نے نہ صرف سابقہ شریعتوں کی مستقل صداقتوں کو اپنے اندر لے لیا بلکہ مزید مستقل ارشادات کو بھی شامل کر کے تشریعی ہدایات کی ایک دائمی اور عالمگیر عمارت کھڑی کر دی۔

اس حدیث میں صرف تکمیل شریعت کا ذکر ہے

پس اِس حدیث میں صرف شریعت کی تکمیل کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا اور مسئلہ نبوّت کے دوسرے پہلوؤں سے اسے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ یہی وہ نقطۂ نظر ہے جو اس حدیث کے متعلق اسلام کے گذشتہ علماء لیتے رہے ہیں چنانچہ علامہ ابن حجر (وفات ۸۵۲ ہجری) جنہوں نے صحیح بخاری کی مشہور شرح فتح الباری لکھی ہے اور حدیث کے علم میں امام کا درجہ رکھتے ہیں اِس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

المراد هنا النظر الیٰ الاکمل بالنّسبة الی الشّریعة المحمّدیّة مع مامضٰی من الشرائع الکاملة۔ (فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۶۱)

> ''یعنی اِس جگہ صرف اِس بات کا اظہار کرنا مقصود ہے کہ گو سابقہ شریعتیں اپنے اپنے زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے کامل ہوں لیکن شریعت محمدیہ نے خدائی شریعت کو دائمی صورت میں اکمل و مکمل کر دیا ہے''۔

رسول پاکؐ سلسلہ نبوّت کا مرکزی نقطہ تھے

پس حق یہی ہے کہ اِس حدیث میں صرف شریعت کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے۔ ورنہ اگر اس مثال کو عام سمجھا جائے تو اس میں نعوذ باللہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ہتک لازم آتی ہے کہ گویا نعوذ باللہ من ذٰلک نبوّت کی وسیع عمارت میں آپؐ کا مقام صرف ایک اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حالانکہ آپؐ فرماتے ہیں کہ **کنتُ نبیًا و ادم منجدل بین الماء والطّین۔** ''یعنی مَیں نبوّت کا مرکزی نقطہ ہوں اور اُس وقت سے نبی ہوں جب کہ اِس دنیا کا پہلا نبی یعنی آدم ابھی پیدا ابھی نہیں ہوا تھا۔'' اِس لطیف حدیث میں یہ اشارہ کرنا مقصود تھا کہ خدا نے تمام دوسرے نبیوں کو آپؐ ہی کی نبوّت کاملہ تامّہ کی تیاری کے لئے پیدا کیا تھا۔ کیونکہ آپؐ سلسلہ رسالت کا مرکزی نقطہ تھے۔ اور آپؐ کے ذریعہ خدائی شریعت نے اپنے کمال کو پہنچنا تھا۔ ایسی ارفع اور اشرف اور اکمل

ہستی کے لئے جو سیّدِ وُلدِ آدم اور لولاک لما خلقتُ الافلاک کی مصداق ہے یہ خیال کرنا کہ آپؐ مقامِ نبوّت کے لحاظ سے نبوّت کی وسیع عمارت میں صرف ایک اینٹ کی حیثیت رکھتے تھے حدیث زیرِ نظر کی ایک بالکل باطل اور مردُود تشریح ہے جسے کوئی باغیرت مسلمان قبول نہیں کرسکتا۔ اور حق یہی ہے کہ اِس حدیث میں صرف شریعت کی تکمیل کا ذکر کرنا مقصود تھا اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

تشریعی نبیوں کے دلچسپ یونٹ

آج کل کی سیاسی اِصطلاح میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اِس حدیث میں ہر شریعت لانے والے نبی کو ایک علیٰحدہ علیٰحدہ یونٹ یعنی اکائی کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر صاحبِ شریعت نبیوں کو مختلف یونٹ قرار دیکر آپؐ کے وجودِ مبارک کو اِن یونٹوں میں سے ایک یونٹ فرض کیا جائے تو آپؐ کی مثال اس اینٹ کی ہے جو آخر میں آکر اپنے موقع پر لگ گئی اور شریعت کی عمارت کو ہمیشہ کے لئے مکمل کر دیا۔ یہی اشارہ اِس حدیث کے اِن الفاظ میں ہے کہ هلّا وُضِعَتْ هٰذه اللبنةُ (یعنی یہ کونے کی اینٹ ابھی تک کیوں نہیں لگی تا یہ عمارت مکمل ہو) جس کا یہ مطلب ہے کہ فطرتِ انسانی اِس بات کو محسوس کر رہی تھی اور اس کا تقاضا کر رہی تھی کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ دنیا کے لئے ایک عالمگیر اور دائمی شریعت نازل کر کے شریعت کی عمارت کو مکمل کر دیا جائے۔ ورنہ اگر محض نبوّت کا سوال ہوتا تو اس جگہ اس فطری طلب اور فطری تقاضا کے ذکر کا کوئی موقع نہیں تھا۔ پس حق یہی ہے کہ اِس لطیف حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت لانے والے نبیوں میں سے ایک یونٹ کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور جیسا کہ ہر واقف کار شخص جانتا ہے یونٹ کی گنتی میں سب چیزوں کا شمار برابر ہوتا ہے اور چھوٹی بڑی چیز میں کوئی امتیاز مدِّ نظر نہیں رکھا جاتا ہے۔ اور اِس مثال سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یونٹ کے لحاظ سے لازماً صرف تشریعی اور مستقل نبیوں کو ہی شمار کرنا ہوگا۔ اور کسی ظلّی اور اُمّتی نبی کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ایک اُمّتی نبی کی حیثیت ایک شاخ کی ہوتی ہے نہ کہ ایک علیٰحدہ مستقل درخت کی۔

علاوہ ازیں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اِس حدیث کے آخر میں انا خاتم النبیین

کے پُرحکمت الفاظ فرما کر ساری بحث کا فیصلہ کر دیا ہے اور اِن الفاظ میں مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ اِس حدیث کے کوئی ایسے معنی نہ سمجھ لینا جو قرآنی آیت خاتم النبیین کے خلاف ہوں کیونکہ اگر مَیں **الانبیاء من قبلی** (یعنی اپنے سے پہلے نبیوں) کے لحاظ سے تشریعی نبوّت کی آخری اینٹ ہوں تو خاتم النبیین ہونے کے لحاظ سے مَیں آئندہ نظام کی خشتِ اوّل بھی ہوں اور اب قیامت تک صرف میری ہی مُہر اور میرا ہی سکّہ چلنے والا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جیسا کہ اِس حدیث کے حکیمانہ الفاظ سے ظاہر ہے اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ نبوّت کی طرف اشارہ کرنا ہرگز مقصود نہیں بلکہ صرف ایک یونٹ یعنی اکائی کی حیثیت میں آپؐ کی تشریعی نبوّت کی طرف اشارہ کرنا اصل مقصد ہے اور غرض یہ ہے کہ آپؐ کے زمانہ میں فطرتِ انسانی دنیا کے حالات کے ماتحت ایک عالم گیر اور دائمی شریعت کا تقاضا کر رہی تھی۔ اور اس فطری تقاضا کو آپؐ کی لائی ہوئی شریعت نے ہمیشہ کے لئے پورا کر دیا۔ یہی وہ تشریح ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع شان اور قرآنی شریعت کے عالی مقام کے مطابق درست بیٹھتی ہے۔ ورنہ نعوذ باللہ یہ ماننا پڑتا ہے کہ ایک وسیع عمارت میں آپؐ کی حیثیت ایک اینٹ سے زیادہ نہیں۔

حدیث ثَلاثُونَ دَجَّالُونَ کی تشریح

اب مَیں منفی قسم کی حدیثوں میں سے آخری حدیث کو لیتا ہوں جس میں حقیقۃً تو ہمارے عقیدہ کے خلاف کوئی بات نہیں لیکن نادان لوگ اِسے حسبِ عادت استہزاء کا آلہ بنا لیا کرتے ہیں۔ اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ **سیکون فی اُمّتی ثلاثون کذّابون (وفی روایۃ ثلاثون دجّالون) کُلّھم یزعم انّہ نبیٌّ وَاَنَا خاتم النبیین لا نبیّ بعدی۔** "یعنی عنقریب میری اُمّت میں تیس کذاب اور دجّال پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے اور مَیں تو خاتم النبیین ہوں میرے بعد (یعنی میرے مقابل پر) کوئی نبی نہیں"۔ اِس حدیث کو پیش کر کر کے ہمارے مخالف مولوی صاحبان شور مچایا کرتے ہیں کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مدّعی نبوّت دجّال اور کذّاب ہے۔ اور نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہؑ کو اِس حدیث کا مصداق قرار دیکر بزعمِ خود طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں لیکن جیسا کہ ابھی ظاہر ہو جائے گا یہ اعتراض جہالت کا ایک سطحی اُبال ہے۔ جو محض جلد بازی اور کوتاہ نظری سے جنم لیکر پیدا ہوا ہے ورنہ اسے حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اِس کے متعلق سب سے پہلی بات تو یہ یاد رکھنی چاہئے کہ جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں انا خاتم النبیٖن اور لا نبیّ بعدی کے الفاظ استعمال کر کے صریح اشارہ فرما دیا ہے اِس جگہ صرف ایسے مدّعیانِ نبوّت مُراد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ قرار دے کر اور آپؐ کے دورِ نبوّت کو کاٹ کر کسی نئے دین اور نئی شریعت کے لانے کے مدّعی ہوں۔ پس مقدس بانی سلسلہ احمدیہؑ کا معاملہ بہر صورت اِس حدیث کے نیچے نہیں آسکتا۔

دوسری بات یہ قابلِ توجہ ہے کہ اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ فرمایا ہے کہ میری اُمّت میں تیس دجّال اور کذّاب پیدا ہوں گے جو نبوّت کا دعویٰ کریں گے۔ لیکن یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ جو شخص بھی نبوّت کا دعویٰ کرے وہ دجّال اور کذاب ہوگا۔ اِن دونوں باتوں میں بہت بھاری فرق ہے اور کوئی عقل مند انسان انہیں ایک نہیں قرار دے سکتا۔ کیا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمّت میں تیس کذّاب اور دجّال پیدا ہوں گے جو نبوّت کا دعویٰ کریں گے، آپؐ یہ مختصر سی بات نہیں فرما سکتے تھے کہ میری اُمّت میں جو شخص بھی نبوّت کا دعویٰ کرے وہ دجّال اور کذّاب ہے؟ ہائے افسوس کہ عقلوں پر کیسے پردے پڑ چکے ہیں کہ ایک صاف اور سیدھی سی بات سے بالکل اُلٹا نتیجہ نکالا جا رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرماتے ہیں کہ میری اُمّت میں تیس جھوٹے مدّعی نبوّت پیدا ہوں گے لیکن ان الفاظ پر طمع سازی کر کے رنگ یہ دیا جا رہا ہے کہ گویا آپؐ نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص بھی نبوّت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور دجّال ہے۔ اِس دیدہ دلیری پر جو حدیث کے صریح الفاظ کو دیکھتے بھالتے ہوئے کی جا رہی ہے اِس کے سوا کیا کہا جائے کہ:-

چہ دلاور است دُوزدے کہ بکف چراغ دارد

عدد کی حد بندی میں لطیف حکمت

علاوہ ازیں اِس حدیث میں جو تیس کا عدد بیان ہوا ہے وہ بھی اِس بات پر گواہ ہے کہ یہاں جھوٹے نبیوں کی تعداد کی تعیین اور حد بندی کرنا اصل مقصد ہے نہ کہ یہ بتانا کہ جو بھی آئے گا وہ جھوٹا ہوگا۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو اِس تعداد کے ذکر میں یہ مخفی اشارہ بھی ہے کہ دیکھنا سارے مدّعیوں کو رد نہ کر بیٹھنا بلکہ بعض مدّعی سچّے بھی ہوں گے۔ بھائیو غور کرو اور سوچو کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی منشاء ہوتا کہ آپ کے بعد ہر مدّعی نبوّت جھوٹا ہے تو آپؐ ہرگز تیس کی حد بندی نہ فرماتے بلکہ صاف ارشاد فرماتے کہ میرے بعد جو شخص بھی نبوّت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ لیکن آپؐ نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ صرف یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد تیس جھوٹے مدّعی پیدا ہوں گے جس میں یہ صاف اشارہ ہے کہ اِن کذّابوں کو چھوڑ کر بعض مدّعی سچّے بھی ہوں گے۔ یہ بعینہٖ وہی صورت ہے جو سنَنِ ابوداؤد کی اس حدیث میں بیان ہوئی ہے جو ہم اُوپر درج کر آئے ہیں۔ اِس حدیث میں ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:-

لیس بینی و بینهٗ نبیٌّ و انّهٗ نازلٌ۔ (ابوداؤد کتاب الملاحم)

"یعنی میرے اور آنے والے مسیح کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہوگا"۔

یہ لطیف حدیث کس وضاحت اور کس فصاحت کے ساتھ ثلاثون دجّالون (تیس دجّال) والی حدیث کی تشریح کر کے بتا رہی ہے کہ بیشک اُمّتِ محمدیہ میں تیس جھوٹے مدّعی نبوّت پیدا ہوں گے لیکن ایک سچا نبی بھی ہوگا اور وہ وہی ہے جو آخری زمانہ میں مثیلِ مسیح بن کر آئے گا۔ گویا اِن دو حدیثوں کے ذریعہ یہ بتانا مقصود تھا کہ مسیح موعود سے پہلے تو کئی جھوٹے مدّعی نبوّت پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن پھر جھوٹے مدّعیوں کی صف لپیٹ دی جائے گی اور سچّے مدّعی کی آمد کا ڈنکا بجنے لگے گا۔

تیس کذّابوں کی گنتی پوری ہو چکی ہے

چنانچہ تاریخ سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ اِن تیس جھوٹے نبیوں کی تعداد حضرت

بانی سلسلہ احمدیہؑ کی بعثت سے پہلے پوری ہو چکی تھی۔ مثلاً علاّمہ قسطلانی اپنی مشہور کتاب مواہب اللدنیہ میں لکھتے ہیں:-

قال القاضی عیاض ھذا الحدیث قد ظھر صدقہٗ فلوعُدّ من تنبّأمن زمَن النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم الی الآن ممّن اشتھربذلک لوجد ھذا العدد و من طالع کتب التّاریخ عرف صحّۃ ھٰذا۔ (مواہب اللدنیہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۸)

''یعنی قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اِس حدیث کی صداقت ظاہر ہو چکی ہے کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر آج تک معروف جھوٹے مدّعیانِ نبوّت کی گنتی کی جائے تو یہ عدد پورا ہو جاتا ہے اور جو شخص کتبِ تاریخ کا مطالعہ کرے گا اُس پر اِس قول کی صحت ظاہر ہو جائے گی''۔

حضرت مسیح موعودؑ کا اعلانِ حق

اِسی قسم کی شہادت اکمال الاکمال شرح مسلم اور حجج الکرامہ مصنّفہ نواب صدیق حسن خان صاحب سرگروہ اہلِ حدیث میں بھی درج ہے۔ لیکن جب بار بار سمجھانے کے باوجود حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف مولوی صاحبان یہی شور مچاتے چلے گئے کہ نعوذ باللہ آپؑ اُن تیس دجالوں میں سے ایک دجّال ہیں جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی تو بالآخر آپؑ نے ایمانی غیرت اور مومنانہ جلال کے ساتھ فرمایا کہ:-

''بعض نیم ملاّ میرے پر اعتراض کر کے کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خوشخبری دے رکھی ہے کہ تم میں تیس دجّال آئیں گے۔ اور ہر ایک اُن میں سے نبوّت کا دعویٰ کرے گا۔ اس کا جواب یہی ہے کہ اَے نادانو! بدنصیبو! کیا تمہاری قسمت میں تیس دجّال ہی لکھے ہوئے تھے (اور کوئی سچّا مصلح تمہارے لئے مقدّر نہیں تھا) چودھویں صدی کا خمس بھی گذرنے پر ہے اور خلافت کے چاند نے اپنے کمال کی چودہ منزلیں پوری کر لیں جس کی طرف

> آیت والقمر قدّرنٰہُ منازل بھی اشارہ کرتی ہے۔ اور دنیا ختم ہونے لگی مگر تم لوگوں کے دجّال ابھی ختم ہونے میں نہیں آتے۔ شاید وہ تمہاری موت تک تمہارے ساتھ رہیں گے۔ اَے نادانو! وہ دجّال جو شیطان کہلاتا ہے وہ خود تمہارے اندر ہے۔ اس لئے تم وقت کو نہیں پہچانتے۔ آسمانی نشانوں کو نہیں دیکھتے۔ مگر تم پر کیا افسوس کہ وہ جو میری طرح موسیٰ کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہوا تھا اُس کا نام بھی خبیث یہودیوں نے دجّال ہی رکھا تھا۔ **فالقلوبُ تشابهت اللّٰھمّ ارحم**۔" (ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی صفحہ ۷)

اللہ اللہ! یہ کس سوز اور کس درد کا کلام ہے۔ گویا اپنی قوم کی محرومی پر برسوں کا دبا ہوا جذبہ پھوٹ کر باہر آ گیا ہے۔ مگر افسوس کے مذاق اُڑانے والے پھر بھی سنجیدہ نہ ہوئے۔ نہ ماننے والے پھر بھی نہ مانے۔ سونے والے پھر بھی نہ جاگے اور قوم کی کشتی ایک بھنور سے نکل کر دوسرے بھنور میں پھنستی چلی گئی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ تیس دجّالوں والی حدیث میں صرف یہ خبر دی گئی تھی کہ تیس جھوٹے مدّعی پیدا ہوں گے نہ یہ کہ کوئی سچّا پیدا ہی نہیں ہوگا۔ اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ تیس کذّاب اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہو کر پورے ہو چکے ہیں۔ اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری پیشگوئی کے مطابق وہ ربّانی مصلح بھی آ چکا جس کے متعلق آپؐ نے فرمایا تھا کہ **لیس بینی و بینہٗ نبیٌّ**۔ (یعنی میرے اور آنے والے مسیح کے درمیان کوئی اَور نبی نہیں) تو اب اگر اس کے بعد بھی ہمارے بھائیوں کو اپنی قوم میں مزید دجّالوں کا ہی انتظار رہے تو ان کے متعلق اس کے سوا کیا کہا جائے جو حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے کہ:-

امروز قومِ من نہ شناسد مقامِ من روزے بگریہ یاد کُند وقتِ خوشترم

اب خدا کے فضل و کرم سے اور اسی کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ یہ خاکسار مسئلہ ختم نبوّت کے متعلق حدیثوں کی بحث ختم کر چکا ہے۔ اور یہ ایک حسنِ اتفاق ہے کہ اِس بحث میں چھ حدیثیں مثبت قسم کی ہیں اور چھ ہی منفی قسم کی ہیں اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اِن بارہ حدیثوں پر جو تبصرہ اُوپر

کی بحث میں کیا گیا ہے وہ خدا کے فضل سے ایک صاف دِل انسان کی تسلّی کے لئے بہت کافی و شافی ہے۔ بلکہ اِس بحث کے دَوران میں ایسی اُصولی باتیں آ گئی ہیں جن سے ہر سمجھدار شخص ان زائد حدیثوں کے مطالب بھی آسانی کے ساتھ حل کر سکتا ہے جن کا مضمون ان حدیثوں سے ملتا جلتا ہے۔ مگر وہ اختصار کے خیال سے اِس تبصرہ میں شامل نہیں کی گئیں۔ اور قرآن مجید کی فرقانی ہدایت جو سب سے بالا اور سب پر حاکم ہے مزید برآں ہے۔ لیکن جس طرح سُورج کی روشنی آنکھوں کے نُور کے بغیر بے سُود ہے۔ اسی طرح قرآن و حدیث کی روشنی بھی صرف اُسی شخص کے کام آسکتی ہے جو اپنے دِل میں پاک نیّت اور تلاشِ حق کا نُور رکھتا ہو۔ پس قبل اس کے کہ مَیں اِس مضمون کے اگلے حصّہ کو شروع کروں مَیں اپنے ناظرین سے پھر دوبارہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ تقویٰ اللہ کو مدِّ نظر رکھ کر اور سچّائی کے طالب بن کر (خواہ یہ سچّائی اُن کے موجودہ عقیدہ کے مطابق ہو یا کہ اس کے خلاف) قرآن و حدیث کے دلائل پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں۔ کیونکہ ایمانیات کا سوال بہت نازک ہوتا ہے۔ اور اس میں ذرا سی ٹھوکر انسان کو خدا کی ناراضگی کا نشانہ بنا دیتی ہے۔ پس عزیزو اور دوستو! یہ مت خیال کرو کہ تمہارے موجودہ عقائد کیا ہیں۔ یا تم نے اپنے باپ دادوں سے کیا سُنا ہے۔ یا تمہارے مولوی کیا کہتے ہیں۔ بلکہ اِس بات کی طرف دیکھو کہ قرآن کیا ارشاد فرماتا ہے۔ حدیث کیا فتویٰ دیتی ہے۔ اور تمہارا نُورِ قلب کیا ہدایت مہیّا کرتا ہے اور ہمارے دِلوں کا حال تو خدا جانتا ہے کہ اخلاص اور محبت اور اشاعتِ حق کے جذبہ کے سوا ہمیں کوئی اَور خیال نہیں۔ ہمارے امامؑ نے پہلے سے فرما رکھا ہے کہ:-

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اُس پہ قرباں ہے

اقوالِ بزرگان کی رُو سے مسئلہ ختم نبوّت کا حل

اِن اقوال کے پیش کرنے میں دوہری غرض

احادیث کی بحث ختم کرنے کے بعد اب مَیں نہایت اختصار کے ساتھ بعض گذشتہ بزرگوں کے ایسے اقوال پیش کرنا چاہتا ہوں جن میں اُنہوں نے مسئلہ نبوّت کے متعلق اسی قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا ہے جو آج جماعتِ احمدیہ کی طرف سے ظاہر کئے جا رہے ہیں۔ مَیں یہ اقوال اِس غرض سے نہیں پیش کر رہا کہ ہمارے لئے یا ہمارے مخالفوں کے لئے اِن بزرگوں کا ہر قول قابلِ حجّت ہے۔ (کیونکہ یہ مقام صرف خدا اور اُس کے رسول کو حاصل ہے۔ اور ان کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں) بلکہ مَیں یہ حوالے صرف اس بات کے ثبوت کے لئے پیش کر رہا ہوں کہ ہم نے اس بحث میں کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ کم وبیش وہی بات کہی ہے جو ہم سے پہلے گذرے ہوئے صلحائے اُمّت اور بزرگانِ کرام مختلف زمانوں میں کہتے چلے آئے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی پیشگوئی فرمائی تھی کہ گو جیسا کہ قدیم سے سنّت ہے ایک زمانہ کے بعد میری اُمّت کے خیالات اور اعمال میں بھی فساد رُونما ہو جائے گا۔ مگر میری اُمّت کبھی بھی ساری کی ساری خراب نہیں ہوگی۔ اور اس کا ایک نہ ایک حصّہ ضرور حق وصداقت پر قائم رہے گا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ **لا تـذال طـائفة مِن اُمّتی علی الحقّ لا یضرّھم من خالفھم حتّٰی یأتی امر اللہ** (ابوداوٗد کتاب الفتن) ”یعنی میری اُمّت کا ایک نہ ایک حصّہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ اور اُن کے مخالف خیال لوگ اُن کی کمزوری کے زمانہ میں بھی اُنہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ اُن کی کامیابی کا پورا پورا رستہ کھول دے گا“۔ پس ذیل میں بعض گذشتہ بزرگوں کے اقوال پیش کرنے میں خاکسار راقم الحروف کی یہی دُہری غرض ہے کہ:-

(۱) ختمِ نبوّت کے عقیدہ کے متعلق اسلام کے بہت سے ممتاز بزرگ ہر زمانہ میں کم وبیش انہی خیالات کا اظہار کرتے آئے ہیں جو موجودہ زمانہ میں جماعتِ احمدیہ کی طرف سے پیش کئے

گئے ہیں۔ اِس لئے جماعت احمدیہ کو ان خیالات کی وجہ سے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ورنہ اِن بزرگوں کے متعلق کیا کہا جائے گا جو ہم سے پہلے اسی قسم کے خیالات ظاہر فرما چکے ہیں؟

(۲) اِن عقائد کی موجودگی اِس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اِس مخصوص مسئلہ میں بھی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مبارک ارشاد پورا ہوا ہے کہ میری اُمّت کا ایک نہ ایک حصّہ ہر زمانہ میں حق پر قائم رہے گا۔ اور یہ کہ خدا کے فضل و رحمت سے موجودہ زمانہ میں جماعتِ احمدیہ ہی اِس بشارت کی مصداق ہے کہ **لا یضرُّھُمْ من خالفھم حتّٰی یأتی امر اللہ**۔ یعنی درمیانی ابتلاؤں اور امتحانوں کے باوجود آخری کامیابی اُسی کے لئے مقدّر ہے۔

مسئلۂ نبوّت میں کب اور کس طرح غلط فہمی پیدا ہوئی؟

انفرادی حوالے پیش کرنے سے قبل ایک اَور سوال کا جواب دینا بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ مسئلہ ختمِ نبوّت کے متعلق عام مسلمانوں میں کب اور کس طرح غلط فہمی پیدا ہوئی؟ سو اس سوال کے جواب میں اچھی طرح توجہ دے کر سمجھ لینا چاہئے کہ جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ رسالت کا مرکزی نقطہ ہیں۔ چنانچہ آپؐ خود فرمایا کرتے تھے کہ **کنت نبیًّا و آدم منجدلٌ بین الماء و الطّین**۔ "یعنی مَیں اُس وقت سے نبی ہوں کہ ابھی دنیا کا سب سے پہلا انسان (یعنی آدم) پیدا بھی نہیں ہوا تھا"۔ اِس پُر حکمت کلام سے یہی مُراد تھی کہ خدا تعالیٰ نے یہ تمام سلسلۂ نبوّت و رسالت اِس غرض سے چلایا تھا اور اِس رنگ میں چلایا تھا کہ اُسے بالآخر آپؐ کی نبوّتِ تامہ کاملہ میں اوجِ کمال تک پہنچایا جائے۔ اِسی طرح روایت آتی ہے کہ آپؐ سے خدا تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ **لولاک لما خلقت الافلاک**۔ "یعنی اے محمدؐ اگر تو نہ ہوتا تو مَیں یہ زمین و آسمان بھی پیدا نہ کرتا"۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ آپؐ نہ صرف سلسلۂ نبوّت کے بلکہ عالمِ رُوحانی کے بھی مقصد و منتہا تھے۔ اِسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے بار بار یہ اعلان فرمایا کہ **اَنَا سیّد وُلد آدم ولا فخر وانا اکرم الاوّلین والآخرین ولا فخر**۔ "یعنی مَیں تمام نبی

آدم کا سردار ہوں مگر مَیں اس کی وجہ سے فخر نہیں کرتا اور مَیں اوّلین و آخرین میں سے خدا کے حضور سب سے افضل ہوں مگر مَیں اسکی وجہ سے فخر نہیں کرتا"۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کو وہ دائمی اور عالمگیر شریعت دی گئی جو سب شریعتوں سے افضل ہے۔ اور اس کے بعد قیامت تک کوئی اَور شریعت نہیں۔

تو جب آپؐ کا یہ ارفع مقام ہے اور آپؐ کی شریعت کی یہ بے نظیر شان ہے تو ضروری تھا کہ آپؐ اپنے اس خدا داد منصب کی تبلیغ و تلقین کے لئے اِس قسم کے خاص امتیازی الفاظ استعمال فرماتے تا دنیا پر ظاہر ہو کہ سلسلۂ رسالت کی سب پچھلی تاریں آپؐ میں پہنچ کر ختم ہوگئی ہیں۔ اور سب اگلی تاریں آئندہ آپؐ کے وجود میں سے ہو کر نکلیں گی۔ چنانچہ آپؐ نے اپنی نبوّت کے متعلق جتنے بھی اعلانات فرمائے وہ سب کے سب بِلا استثناء اسی نقطہ کے اردگرد گھومتے ہیں کہ عالمِ روحانیت میں مرکزی وجود آپؐ کا ہے۔ گذشتہ سب کمال آپؐ میں جذب ہو کر ختم ہوئے۔ اور آئندہ ہر نُور آپؐ میں سے ہو کر نکلنے والا ہے۔ اس کی مثال بجلی کے ایک زبردست ٹرانس فارمر کی سی سمجھنی چاہئے۔ جس میں ایک طرف سے بجلی کی ایک رَو آ کر داخل ہوتی ہے اور پھر دوسری طرف سے وہ ایک نیا رنگ اختیار کر کے اور گویا نئی بجلی بن کر باہر نکلتی ہے۔

رسول پاکؐ کے مقام کے متعلق غلط فہمی

آپؐ کے اِس عدیم المثال اور عجیب و غریب مقام کی حقیقت ظاہر کرنے کے لئے قرآن مجید نے تو خاتم النبیین کی جامع و مانع اصطلاح استعمال فرمائی ہے مگر حدیث نے حسبِ موقع مختلف قسم کے کلمات اور استعارات سے کام لیکر اس نادر الوجود حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی کبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ مَیں آخری نبی ہوں۔ اور کبھی یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور کبھی یہ فرمایا ہے کہ مجھ پر نبوّت اور رسالت کا سلسلہ ختم ہے۔ اور کبھی یہ فرمایا ہے کہ مَیں نبوّت کے محل کی آخری اینٹ ہوں وغیرہ وغیرہ۔ حقیقۃً یہ سارے کلمات ایک ہی مفہوم کے حامل اور ایک ہی حقیقت کے مظہر تھے۔ اور یہ حقیقت وہی تھی جو قرآن مجید نے اپنے ایک جامع لفظ خاتم النبیین میں بیان فرمادی تھی اور اس کا مطلب یہی تھا کہ آپؐ عالم روحانیت کا

مرکزی نقطہ ہیں۔ گذشتہ ہر تار آپؐ میں آکر ختم ہوگئی۔ اور آئندہ ہر تار آپؐ میں سے ہو کر نئی صورت میں نکلے گی۔

صحابہ کرامؓ کی مقدّس جماعت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی براہِ راست تربیت کے نیچے تھی۔ وہ تو فی الجملہ اس نادر حقیقت اور اس روحانی فلسفہ کو اچھی طرح جانتی اور سمجھتی تھی۔ اور انہیں اس معاملہ میں کوئی غلط فہمی نہیں تھی۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے دُور اُفتادہ حصّوں اور بیرونی ملکوں کے لوگوں نے جوق در جوق اسلام قبول کیا اور یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا زمانہ آیا تو نئے مسلمان ہونے والوں میں سے ایک حصّہ نے رسول پاکؐ کے ان اعلانوں اور اِن اصطلاحوں کی اصل حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے ان کی تشریح میں اپنے اپنے طور پر خیال آرائی شروع کر دی۔ یہ نومسلم لوگ جو صحابہؓ کے بعد آنے والے تابعی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پُر حکمت الفاظ لانبی بعدی اور انی آخر الانبیاء وغیرہ سُنتے تھے اور ان میں سے بعض اس سوچ میں پڑ جاتے تھے کہ اِن الفاظ کی حقیقت کیا ہے؟ وہ ابھی تک اِس گہرے روحانی فلسفہ کی بنیادی حقیقت سے ناآشنا تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن معنوں میں اپنے آپ کو اگلی اور پچھلی تاروں کے اتصال کا مرکز قرار دیا ہے۔ اور چونکہ اِسلامی تعلیم کا مرکزی نقطہ یہ کلمہ طیبہ ہے کہ لا الٰہ الاّ اللہ محمدٌ رسول اللہ اور اس کلمہ میں ختم نبوّت کا کوئی ذکر نہیں۔ اور جس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ ارکانِ اسلام بیان فرمائے ہیں اس میں بھی ختم نبوّت کا کوئی ذکر نہیں اِس لئے وہ اِس بحث کو ایک زائد علمی مسئلہ سمجھ کر خاموش ہو جاتے تھے۔

اسلام کی ظاہری حد بندی کے متعلق ایک ضمنی نوٹ

یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جیسا کہ حدیث میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار صراحت فرمائی ہے اسلام کی ظاہری حد بندی صرف کلمہ طیبہ یعنی لا الٰہ الاّ اللہ محمدٌ رسول اللہ ہے۔ پس جو شخص بھی اس کلمہ پر ایمان لاتا ہے اور خدا کو ایک سمجھتا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرتا ہے وہ اسلام کی ظاہری تعریف کے لحاظ سے مسلمان

کہلانے اور اُمّتِ محمدیہ کا فرد سمجھے جانے کا حقدار ہو جاتا ہے۔ باقی باتیں تکمیلِ دین اور حقیقتِ باطنی سے تعلق رکھتی ہیں جنہیں اسلام کی ظاہری حد بندی سے کوئی تعلق نہیں۔ پس ایک کلمہ گو خواہ وہ کوئی ہو اور کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو سیاسی حقوق کے لحاظ سے مسلمان سمجھا جائے گا۔ گو اُسے اس کے دیگر دینی نقائص اور خامیوں کی وجہ سے کامل یا حقیقی مسلمان نہ سمجھا جائے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہوتی ہے۔ اور اسی کے مطابق اسلام کا ظاہری اور سیاسی نظام قائم کیا گیا ہے۔ اسی لئے ابتدائی مسلمانوں نے بلکہ ہر زمانہ کے محقق علماء نے ختم نبوّت کے عقیدہ کی بحث میں پڑنے کے بغیر اسلام کی ظاہری حد بندی صرف کلمہ طیّبہ قرار دی ہے۔ اور اِس معاملہ میں دوسری باتوں کو قطعاً مؤثر نہیں گردانا۔ اور یہی وجہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جہاں جہاں اسلام کی ظاہری تشریح یا تعریف فرمائی ہے وہاں صرف کلمہ طیّبہ **لا الٰہ الا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ** کو اسلام کا مرکزی نقطہ قرار دیا ہے۔ اور اس کی تفصیل میں ملائکہ اللہ اور کتبِ سماوی اور سلسلۂ رسل اور بعث بعد الموت اور تقدیر خیر وشر کے فی الجملہ ذکر پر اکتفا فرمایا ہے۔ اور ختمِ نبوّت کا ذکر نہیں کیا۔ گو بہر حال قرآنی ارشاد کے ماتحت ہر سچّا مسلمان ختم نبوّت کے عقیدہ پر دِل وجان سے ایمان لاتا ہے۔ یہ ایک خاص نکتہ ہے جو ہمارے سب دوستوں کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔

صحابہؓ کی زندگی میں ہی اِس غلط فہمی کا آغاز ہو گیا تھا

اِس ضمنی نوٹ کے بعد مَیں اپنے اصل مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ جیسا کہ اُوپر صراحت کی گئی ہے۔ ختمِ نبوّت کی تشریح اور **لا نبیّ بعدی** کی حقیقت کے متعلق ابتدائی مسلمانوں کے خیالات میں ایک قسم کا جزوی انتشار صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ہی نو مسلم تابعین کے ایک طبقہ میں شروع ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ انتشار صرف ایک محدود اور قلیل طبقہ میں تھا۔ اس لئے طبعاً وہ زیادہ نمایاں نہیں ہوا۔ اور اس انتشار کا احساس بھی صرف خاص خاص صحابہؓ کو ہوا جنہوں نے اسے اپنے اپنے رنگ میں دبانے اور مٹانے کی کوشش کی۔ چنانچہ جو روایتیں ہم ذیل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پیش کریں گے وہ اس بات پر یقینی گواہ ہیں کہ اِن ہر

دو بزرگوں نے کس طرح اِس غلط رجحان کو محسوس کر کے اس کی اصلاح کی کوشش فرمائی۔ لیکن چونکہ ابھی تک یہ رجحان صرف ایک چھوٹے سے بیج کے رنگ میں تھا اور صرف نومسلم تابعین کے ایک قلیل حصّہ تک محدود تھا اور غالباً یہ طبقہ مرکزِ اسلام سے بھی دُور رہتا تھا۔ اس لئے اِس غلط فہمی کو زیادہ اہمیّت نہیں دی گئی۔ اور نہ ہی وقتی حالات کے ماتحت اس کی طرف زیادہ توجہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اندر ہی اندر مسلمانوں کے ایک طبقہ میں یہ غلط خیالات راسخ ہوتے گئے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ اور اب آپؐ کے بعد کوئی شخص کسی رنگ میں بھی نبوّت کا انعام نہیں پا سکتا۔ اور پھر جوں جوں عہدِ نبوّت سے دُوری ہوتی گئی یہ غلط خیالات زیادہ جڑھ پکڑتے اور زیادہ وسیع ہوتے گئے۔

لیکن جیسا کہ ہم انشاء اللہ ابھی ثابت کریں گے مسلمان علماء اور صلحاء کا ایک حصّہ ہر زمانہ میں جمہور مسلمانوں کو اس غلطی کی طرف توجہ دلاتا رہا ہے اور خیالات کی کشمکش برابر جاری رہی ہے۔ حتّٰی کہ فیجِ اعوج کے زمانہ میں جس کے لئے **علماء ھم شرّ من تحت ادیم السّماء** کا انذار بیان ہو چکا تھا۔ یہ غلطی ایسا غلبہ پا گئی کہ خاص اہلِ بصیرت لوگوں کو چھوڑ کر عوام النّاس اِسی غلط خیال پر جم کر بیٹھ گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مبارک میں سب اگلے پچھلے سلسلے کلیّۃً ختم ہو چکے ہیں۔ اور آپؐ کے بعد ہر قسم کی نبوّت کا دَروازہ بند ہے۔ یقیناً یہی وہ صورت ہے جس میں اس غلط عقیدہ نے ابتداء میں ایک بیج کے طور پر پرورش پا کر آہستہ آہستہ جمہور کے دِل و دماغ پر قبضہ جما لیا۔ اور عہدِ نبوّت سے دُوری کی وجہ سے مسلمان عوام یہ سمجھنے لگ گئے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اِس بات میں نہیں ہے کہ آپ نئی روحانی نہر کے جاری کرنے والے قرار پائیں بلکہ اس بات میں ہے کہ آپؐ پر تمام سابقہ نہریں پہنچ کر بند ہو جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو شخص اِس معاملہ میں خالی الذہن ہو کر صحیح نفسیاتی اُصول پر غور کرے گا وہ لازماً اِسی نتیجہ پر پہنچے گا جو ہم نے اِس جگہ بیان کیا ہے۔ یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی مقام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ ساری غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ کاش ہمارے مخالف اصحاب اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ وما علینا الّا البلاغ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لطیف ارشاد

اس کے بعد مَیں نہایت مختصر طور پر انفرادی حوالوں کو لیتا ہوں۔ سب سے پہلے ہمارے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول آتا ہے جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور آپؐ کی جگر گوشہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے خاوند اور اِسلام کے چوتھے خلیفہ تھے۔ اور ان کی بلند شان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن الفاظ سے ظاہر ہے کہ **اَنَا مدینة العلم و علیٌّ بابها**۔ ”یعنی مَیں علم کی بستی ہوں اور علی اس بستی کا دروازہ ہے“۔ سو اس علم و بصیرت والی ہستی کے متعلق روایت آتی ہے کہ آپؓ نے ایک شخص ابوعبدالرحمٰن بن سلمٰی نامی کو اپنے صاحبزادگان حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنھا کی تعلیم کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ ابوعبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ:-

> **کنت اقرئ الحسن والحسین رضی اللّٰه عنهما فمرّ بی علی ابن ابی طالب رضی اللّٰه عنه وَاَنا اُقرئُهما وقال لی أقرئهما و خاتم النبیّن بفتح التاء۔**
>
> (درِّ منثور مرتبہ امام سیوطی زیر آیت خاتم النبیین)
>
> ”یعنی مَیں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو پڑھایا کرتا تھا تو ایک دفعہ جب مَیں ان صاحبزادگان کو پڑھا رہا تھا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گذرے اور مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔ دیکھو انہیں خاتم النبین کا لفظ تؔ کی زَبر سے پڑھانا“۔

ہمارے ناظرین جانتے ہیں کہ خاتم کا لفظ (یعنی حروف خؔ اور الفؔ اور تؔا اور مؔ کا مجموعہ) عربی زبان میں دو طرح پر آتا ہے۔ ایک تؔ کی زبر سے خاتَم کی صورت میں آتا ہے۔ جس کے معنی مُہر یا انگوٹھی کے ہوتے ہیں۔ اور دوسرے تؔ کی زیر سے خاتِم کی صورت میں آتا ہے جس کے عام معنی تو آخری کے ہوتے ہیں مگر کبھی کبھی وہ مُہر کے معنوں میں بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ تؔ کی زیر کی صورت میں غلط فہمی کا احتمال تھا اِس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کمال ذہانت اور

دُور اندیشی سے اِس خطرہ کو بھانپ کر ابو عبدالرحمٰن کو تاکید فرمائی کہ دیکھنا میرے بچوں کو خاتم کا لفظ تؔ کی زبر سے پڑھانا زیر سے نہ پڑھانا۔ تا کہ "نبیوں کی مُہر" والے معنی مراد لئے جائیں اَور کسی قسم کی غلط فہمی نہ پیدا ہو۔ اِس عجیب و غریب روایت سے پتہ لگتا ہے کہ ابتدائی زمانہ میں ہی بعض نومُسلم تابعین میں اِس غلط فہمی کی طرف رجحان پیدا ہونے لگا تھا کہ شاید خاتم کا لفظ تؔ کی زیر سے ہو۔ اور اِس سے مراد نبیوں کے سلسلہ کو بند کرنے والا ہو۔ اِس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً ابو عبدالرحمٰن کو ٹوک کر ہدایت فرمائی اور صحیح رستہ پر ڈال دیا۔

اب غور کرو کہ اگر لفظ خاتَم (تؔ کی زبر سے) اور خاتِم (تؔ کی زیر سے) ہر صورت میں بالکل ایک ہی معنی دیتے ہیں اور ان میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو عبدالرحمٰن بن سلمٰی کو یہ تاکید کیوں فرمائی کہ یہ لفظ تؔ کی زبر سے پڑھاؤ تؔ کی زیر سے نہ پڑھاؤ۔ یقیناً اس کی تہہ میں یہی خیال کارفرما تھا کہ ان مقدّس صاحبزادوں اور ان کے اُستاد کے دِل میں "نبیوں کی مہر" والے معنوں کا تصوّر قائم کیا جائے۔ اور اُن کے خیال کو اس طرف جانے سے روکا جائے کہ اس کے معنی آخری نبی کے ہیں۔ تا کسی قسم کی غلط فہمی کا امکان نہ رہے۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے اس مشفقانہ انتباہ کے آج کل کے مسلمان اِس بات پر مُصر ہیں کہ خاتم النبیّن کے معنی آخری نبی کے ہیں اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوّت کا دروازہ بند ہے۔ بہر حال یہ وہ سب سے پہلی شہادت ہے جو اسلام کی تاریخ میں ہمارے عقیدہ کے حق میں پائی جاتی ہے۔ اور شہادت بھی کس کی؟ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد اور خلفاء راشدین میں سے چوتھے خلیفہ کی جو علم و عرفان کی بستی میں دروازہ کا حکم رکھتا تھا۔ اور جس کے سامنے اہلِ سنّت والجماعت اور اہلِ تشیّع دونو کی گردنیں جھکتی ہیں۔

حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ کا ہدایت نامہ

اِس کے بعد مومنوں کی مادرِ مشفق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد آتا ہے جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ عالمہ فاضلہ بیوی تھیں اور

جن کے متعلق یہ روایت آتی ہے کہ صحابہؓ کو کبھی کوئی علمی مشکل ایسی نہیں پیش آئی جس کا حل اُنہیں حضرت عائشہ کے پاس نہ مل گیا ہو۔ (زاد المعاد) آپؓ فرماتی ہیں:-

قولوا اِنّہٗ خاتم النّبیّن و لا تقولوا لا نبیّ بعدہٗ ۔ (درّ منثور جلد ۵ و تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵)

> "یعنی اے مسلمانو! تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ تو کہا کرو کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں۔ مگر یہ نہ کہا کرو کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں"۔

یہ شہادت زمانہ کے لحاظ سے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کی معلوم ہوتی ہے جبکہ غالباً مسئلہ نبوّت کے متعلق غلط فہمی کسی قدر زیادہ ہو چکی تھی۔ کیونکہ اس میں حضرت علیؓ والی شہادت کی نسبت زیادہ وضاحت اور زیادہ وسعت پائی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا تک اِس قسم کی خبر پہنچی ہوگی کہ بعض نو مسلم لوگ جو دین کے حقائق سے زیادہ واقف نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لا نبیّ بعدی کی غلط تشریح کر کے اِس خیال کی طرف جھک رہے ہیں کہ اب شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا نبی بھی نہیں آسکتا۔ اور یہ کہ آپؐ کے بعد یہ دروازہ کُلّی طور پر بند ہو چکا ہے۔ سو حضرت عائشہؓ نے ایک مہربان معلّمہ کی حیثیت میں فوراً اِس کی طرف توجہ فرمائی۔ اور ہدایت دی کہ چونکہ تم لا نبیّ بعدی کی حقیقت کو پوری طرح نہیں سمجھتے اِس لئے اِس حدیث کی بجائے آیت خاتم النبیین کی طرف دھیان رکھو جس کے معنٰی "نبیوں کی مُہر" کے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ نبوّت کا سارا فلسفہ اِس ایک لفظ میں آ جاتا ہے اور جو غلط فہمی لَا نبیّ بعدی کے الفاظ سے بعض خام طبیعتوں میں پیدا ہو سکتی ہے اس کا سدِّ باب بھی ہو جاتا ہے۔ اب دیکھو کہ حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد کتنا واضح اور کتنا بصیرت افروز ہے جس کے بعد کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ لیکن چونکہ اُوپر کی بحث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اِس قول کی کسی قدر تفصیلی تشریح گذر چکی ہے اِس لئے ہمیں اِس جگہ اس کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال یہ بات ظاہر ہے کہ نبوّت کے مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اوائل زمانہ میں ہی ایک غلط رجحان محسوس کیا اور اس کی تصحیح کی طرف فوری توجہ فرمائی۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی شہادت

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ابتدائی زمانہ کے ارشادات پیش کرنے کے بعد اَب میں اسلام کے وسطی زمانہ کے ایک بڑے بزرگ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی (وفات ؁۶۳۸ ہجری) کا حوالہ پیش کرتا ہوں جس میں انہوں نے صراحت اور تکرار کے ساتھ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف شریعت والی نبوّت کا دروازہ بند ہے۔ عام نبوّت کا دروازہ ہرگز بند نہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں:-

اِنّ النبوّة الّتي انقطعت بوجود رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم انما هيَ نبوّة التشريع لا مقامها فلاشرع نَاسخًا لشرعهٖ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ولَايزيدفي شرعهٖ حكمًا آخر وهٰذا معنى قوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم انّ الرّسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسُول بعدئ ولا نبيّ اَي لا نبيّ بعدي يكون علٰى شرعٍ يخالف شرعي بل اذا كان يكون تحت حكم شريعتي۔

(فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ صفحہ ۳ طبع مصر)

’’یعنی نبوّت کی وہ قسم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے بند ہوگئی ہے وہ صرف شریعت والی نبوّت ہے کیونکہ اب اس کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ پس آئندہ کوئی ایسی شریعت نہیں آسکتی جو آپؐ کی شریعت کے کسی حکم کو منسوخ کرے یا آپؐ کی لائی ہوئی شریعت میں کوئی حکم زیادہ کرے۔ اور یہی معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس قول کے ہیں کہ اب رسالت اور نبوّت کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے۔ اور میرے بعد کوئی رسول اور نبی نہیں۔ اِس سے آپ کی مُراد یہ تھی کہ آئندہ کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو کسی ایسی شریعت پر قائم ہو جو میری شریعت کے خلاف ہے۔ بلکہ جب بھی کوئی آئے گا تو وہ میری ہی شریعت کے تابع ہوگا‘‘۔

اور پھر اسی مضمون پر اِسی کتاب میں دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

النبوّۃ سارِیۃ الیٰ یوم القیامۃ فی الخلق وإن کان التشریع قد انقطع فالتشریع جُزءٌ من اجزاء النبوّۃ۔ (فتوحاتِ مکّیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ طبع مصر)

’’یعنی نبوّت دنیا میں قیامت کے دِن تک جاری اور کھلی ہے۔ اگرچہ شریعت کا نزول ختم ہو چکا ہے۔ اور شریعت نبوّت کے اجزاء میں سے ایک جُزو ہے‘‘۔

اور اپنی ایک دوسری کتاب میں حضرت ابنِ عربی موصوف فرماتے ہیں :۔

امّا نبوّۃ التشریع والرسالۃ فمنقطعۃٌ وفی محمّد صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قد انقطعت فلا نبیّ بعدہٗ مشرّعاً۔۔۔۔ الّا انّ اللّٰہ لطف بعبادہٖ فابقٰی لھم النبوّۃ العامّۃ لاتشریع فیھا۔ (فصوص الحکم صفحہ ۱۴۰ و ۱۴۱)

’’یعنی شریعت والی نبوّت و رسالت تو ختم ہو چکی ہے کیونکہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مکمل ہو گئی۔ پس آپؐ کے بعد کوئی صاحبِ شریعت نبی نہیں آسکتا۔۔۔۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ مہربانی فرمائی ہے کہ اُن کے لئے عام نبوّت کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ جو شریعت کے بغیر ہوتی ہے۔‘‘

اِن تین حوالوں سے جو اسلام کے ایک بڑے عالم اور ممتاز بزرگ کے قلم سے ہیں اور آج سے قریباً ساڑے سات سو سال پہلے لکھے گئے تھے۔ ذیل کی چار باتیں قطعی طور پر ثابت ہوتی ہیں :۔

(اوّل) یہ کہ حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف نئی شریعت کے نزول کا دروازہ بند ہوا ہے نہ کہ ہر قسم کی نبوّت کا۔

(دوم) یہ کہ حضرت شیخ موصوف کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت بلا شریعت کا دروازہ کھلا ہے۔ اور قیامت تک کھلا رہے گا۔ اور وہ اس قسم کی نبوّت کا نام نبوّتِ عامّہ رکھتے ہیں۔

(سوم) یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی آئے گا وہ بہرحال آپؐ کی شریعت اور آپؐ کے فرمان کے تابع ہوگا۔

(چہارم) یہ کہ نبوّت کے متعدّد اجزاء ہیں اور شریعت کا نزول ان اجزاء میں سے ایک جزو

ہے نہ یہ کہ شریعت ہی عین نبوّت ہے۔

یہ وہ چار اہم نتائج ہیں جو اُوپر کے حوالوں سے قطعی طور پر ثابت ہوتے ہیں۔ اور اگر کسی شخص کو ہمارے ترجمہ کے متعلق شک ہو تو وہ اپنے کسی مولوی سے ترجمہ کرا کے خود تسلّی کر سکتا ہے۔ اب دیکھو کہ یہ حوالے کتنے واضح اور کتنے صاف ہیں! حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف شریعت والی نبوّت کا دروازہ بند کیا ہے اور چونکہ شریعت صرف جُزوِ نبوّت ہے نہ کہ عینِ نبوّت اس لئے آپؐ کے بعد نبوّتِ عامہ کا دروازہ کھلا ہے اور کبھی بند نہیں ہوگا۔ اور یہ کم وبیش وہی بات ہے جو ہم کہتے ہیں۔

لیکن چونکہ اکثر لوگ اپنے قائم شدہ عقیدہ کے خلاف کسی خیال کو قبول کرنے کے لئے جلدی تیار نہیں ہوتے اور بات بات پر شُبہ پیدا کرنے کا طریق اختیار کرتے ہیں۔ اس لئے اِس موقع پر بھی بعض اصحاب کی طرف سے یہ شبہ پیدا کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے اِس جگہ نبوّت عامہ سے صرف ولایت کا مقام مراد لیا ہے اور یہ کہ ان کا اصل عقیدہ یہی تھا کہ ہر نبی کے لئے شریعت کا لانا ضروری ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی اَور شریعت نہیں اس لئے آپؐ کے بعد حقیقی معنوں میں کوئی نبی بھی نہیں آسکتا۔ اِس شبہ کے جواب میں اُصولی طور پر تو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہم نے حضرت شیخ اکبر یا کسی اَور بزرگ کو بلینک چیک نہیں دیا ہوا کہ تا ہمارے لئے ان کی ہر بات واجب القبول ہو۔ بلینک چیک کا مقام صرف خدا اور اس کے رسول کو حاصل ہے کیونکہ خدا اور اس کے رسول ہی ایسی ہستیاں ہیں جن کی ہر بات ہر حال میں واجب القبول ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ کسی اَور کو یہ مقام حاصل نہیں۔ بلکہ باقی سب کے متعلق علیٰ قدرِ مراتب خذما صفا ودع ما کدر کا اصول چلتا ہے یعنی جو بات صحیح ہے اور قرآن و حدیث کے فیصلہ کے مطابق ہے اسے لے لو اور جو بات قرآن وحدیث کے خلاف ہے اسے ردّ کر دو۔ اسی لئے ہم نے اِس جگہ حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی کی شہادت ان کے سارے عقائد اور نظریات کی تصدیق کے لئے پیش نہیں کی بلکہ صرف اس محدود شہادت کے طور پر پیش کی ہے کہ ہماری طرح حضرت شیخ اکبر کے نزدیک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تشریعی نبوّت

کا دروازہ بند ہے نہ کہ ہر قسم کی نبوّت کا۔ اور اِس حصّہ میں پیش کردہ شہادت بالکل صاف اور واضح ہے اور کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ پس اگر بالفرض (اور مَیں یہ بات صرف فرض کے طور پر کہہ رہا ہوں) حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی کا یہی عقیدہ تھا کہ ہر نبی کے لئے شریعت کا لانا ضروری ہے تو اِس سے ہمارے موجودہ استدلال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ اوّل تو جس مخصوص غرض کے ماتحت ہم نے یہ حوالہ پیش کیا ہے اس کے لحاظ سے یہ ایک زائد اور لاتعلق بات ہے۔ دوسرے جیسا کہ ہم حضرت امام شعرانی کے حوالہ کی بحث کے تعلق میں قرآن اور حدیث اور تاریخ اور عقلی دلائل کی متحدہ شہادت سے ثابت کر چکے ہیں یہ خیال ہرگز درست نہیں کہ ہر نبی کے لئے نئی شریعت کا لانا ضروری ہے۔ بہرحال حضرت شیخ اکبر کا منشاء صرف یہ ہیکہ وہ تشریعی نبوّت کو نبوّتِ خاصّہ کا نام دیکر اس کا دروازہ تو کلّی طور پر بند قرار دیتے ہیں۔ مگر اس کے مقابل پر نبوّت کی باقی اقسام کو نبوّتِ عامہ کے لفظ سے تعبیر کر کے اس کا رستہ ہمیشہ کے لئے کھلا سمجھتے ہیں۔ وھوالمُراد۔

لیکن حق یہ ہے کہ حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی نے ہرگز یہ نہیں کہا اور نہ ہی اُنہوں نے کسی جگہ یہ عقیدہ ظاہر فرمایا ہے کہ ہر نبی کے لئے شریعت کا لانا ضروری ہے بلکہ وہ تو صاف الفاظ میں اعلان فرماتے ہیں کہ:-

التشریع جُزءٌ من اجزاء النبوّۃ (فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۰)

"یعنی شریعت کا نزول نبوّت کے اجزاء میں سے ایک جُزو ہے۔ نہ کہ عینِ نبوّت"۔

پس جبکہ شیخ موصوف کے نزدیک شریعت کا نزول نبوّت کے ساتھ لازم و ملزوم ہی نہیں ہے تو اُن کی طرف یہ خیال کس طرح منسوب کیا جا سکتا ہے کہ ہر نبی کے لئے شریعت کا لانا ضروری ہے؟ لہٰذا اگر اُنہوں نے کسی جگہ نبوّتِ عامہ (یعنی غیر تشریعی نبوّت) کو ولایت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے تو یقیناً یہ صرف ایک مجازی استعمال کی صورت ہے۔ جو اُنہوں نے اپنے رنگ میں عوام النّاس کو غیر تشریعی نبوّت کی حقیقت سمجھانے کے لئے اختیار کی ہے۔ اور ان کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہر نبی لازماً ولی بھی ہوتا ہے اور یہ کہ نبوّتِ عامّہ جس کے ساتھ شریعت شامل نہیں وہ دراصل ولایت ہی کا ایک ترقی یافتہ مقام ہے۔ ولکلٍّ ان یصطلح فافهم و تدبّر و لاتکن من

الممترین ۔ اسی لئے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ وہ کوئی شریعت نہیں لائے بلکہ موسوی شریعت کے تابع تھے اُنہیں قرآنی ارشاد و وھبنا لہٗ ھارون نبیًّا کے ماتحت نبی قرار دیا ہے۔ (فتوحاتِ مکّیہ جلد ۲ صفحہ ۳ و ۴)

حضرت مولانا رومیؒ کی شہادت

اسلام کے وسطی زمانہ کی دوسری شہادت حضرت مولانا جلا الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۶۷۲ ہجری) کے کلام میں ملتی ہے مگر یہ یاد رہے کہ اِس جگہ میری غرض سارے حوالے پیش کرنا نہیں ہے بلکہ مَیں یہاں صرف مثال کے طور پر چند حوالے پیش کر رہا ہوں۔ تا یہ بات ثابت ہو کہ مسئلہ ختمِ نبوّت کے متعلق جماعت احمدیہ کا عقیدہ نیا نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ میں اسلام کے بعض چوٹی کے علماء اور صلحاء اور صوفیاء کم و بیش انہی خیالات کا اظہار کرتے آئے ہیں۔ اِس غرض کے ماتحت بعض حوالے اُوپر درج کئے جا چکے ہیں۔ اور بعض حوالے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ مولانا رومی جن کی مثنوی مسلمانوں کے ہر طبقہ میں مقبول ہے اور اعلیٰ درجہ کے علوم اور تصوّف سے معمور مانی گئی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

بہرِ ایں خاتم شداست او کہ بجود
مثلِ او نے بود نے خواہند بُود
چونکہ در صنعت برد استاد دست
نے تو گوئی ختم صنعت بر تو ہست

(مثنوی مولانا روم دفتر ششم صفحہ ۸)

> ”یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس لئے خاتم النبیین رکھا گیا کہ آپکے برابر نہ تو کوئی شخص پہلے لوگوں میں گذرا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ دیکھو جب کوئی ماہر فن کسی صنعت میں سب سے آگے نکل جاتا ہے تو کیا تم اس کے متعلق یہ نہیں کہتے کہ یہ صنعت تو تجھ پر ختم ہوگئی ہے؟ پس سمجھ لو کہ اِسی معنی میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم پر نبوّت ختم ہوئی ہے"۔

اب دیکھو کہ یہ حوالہ کتنا صاف اور واضح ہے۔ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ خاتم النبیین کے لفظ سے یہ نہ سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائی انعاموں کی نہر کو بند کرنے والے ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپؐ افضل الرسل ہیں اور آپؐ نے اپنے اندر نبوّت کے کمالات کو احسن اور اتم صورت میں جمع فرمایا ہے۔ اور پھر مثال دیکر فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک عدیم المثال ماہرِ فن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس پر فلاں صنعت ختم ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کے بھی یہ معنی ہیں کہ آپؐ میں نبوت کے تشریح کی وجہ سے کافر قرار دینے والو سوچو اور غور کرو کہ کیا یہ وہی تشریح نہیں ہے جو ہم کرتے ہیں؟ اور پھر سوچو اور غور کرو کہ کیا ہماری یہ تشریح نہیں ہے جو ہم کرتے ہیں؟ اور پھر سوچو اور غور کرو کہ کیا ہماری یہ تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی) کی شان کے مطابق ہے یا کہ آپ لوگوں کی یہ تشریح کہ ختمِ نبوت سے مراد جاری شدہ نہروں کا بند کرنا ہے۔ ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے ہر مسلمان اپنے دل سے فتویٰ پوچھے اور خدا کو حاضر ناظر جان کر جواب دے۔

حضرت امام محمدؒ طاہر کی شہادت

اس کے بعد میں وسطی زمانے کے ایک اور ممتاز بزرگ حضرت امام محمد طاہر (وفات ۹۸۶ ہجری) کی شہادت پیش کرتا ہوں جنہیں بعض لوگوں نے اپنے زمانہ کا امام مانا ہے اور جن کی کتاب مجمع البحار حدیث کی لُغت میں ایک بڑے پائے کی کتاب تسلیم کی گئی ہے۔ امام محمد طاہر موصوف لکھتے ہیں:-

عن عائشة رضی اللّٰہ عنھا قولوا انهٗ خاتم الانبیاء ولا تقولوا لا نبیّ بعدهٗ وھٰذا ناظر الیٰ نزول عیسیٰ وھٰذا ایضاً لایُنافی حدیث لا نبیّ بعدی لانهٗ ارادالانبی ینسخ شرعهٗ (درِ منثور وتکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵)

''یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو یہ فرمایا ہے کہ لوگو تم یہ تو کہا کرو کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں مگر یہ نہ کہا کرو کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں یہ بات حضرت عیسیٰ کے نزول کے پیش نظر کہی گئی ہے۔ اور یہ قول حدیث لا نبی بعدی کے خلاف نہیں۔ کیونکہ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ منشاء تھا کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو میری شریعت کو منسوخ کرے۔ مطلقاً نبوّت کا بند ہونا مراد نہیں تھا"۔

امام محمدؒ طاہر کا یہ لطیف حوالہ اس معاملہ میں دوہری شہادت پیش کر رہا ہے:۔

(اوّل) یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف شریعت والی نبوّت کا دروازہ بند ہے۔ ہر قسم کی نبوّت کا دروازہ بند نہیں۔

(دوم) یہ کہ اسلام میں جس مسیح موعود کے نزول کی پیشگوئی پائی جاتی ہے وہ خدا کا نبی ہوگا۔ لیکن چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہوگا اِس لئے اس کا آنا حدیث لا نبیّ بعدی کے منشاء کے خلاف نہیں۔

یہ دو نتائج بعینہٖ وہی ہیں جو مسئلہ ختمِ نبوّت کے تعلق میں جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ان بزرگوں کی شہادت کے باوجود ہمیں اِن خیالات کی وجہ سے کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جاتا ہے اور اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ اِس حوالہ میں تو حضرت عیسیٰؑ کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چھ سو سال قبل بنی اسرائیل کی قوم میں گذرے تھے تو یہ ایک دوہرا ظلم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک ایسے شخص کو تو نبی تسلیم کیا جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں اور شاگردوں اور رُوحانی فرزندوں میں سے نہیں ہے بلکہ آپؐ کی بجائے وہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کا جُوا اپنی گردن پر رکھتا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں اور شاگردوں اور خوشہ چینوں اور روحانی فرزندوں میں سے کسی فرد کے لئے اِس اعزاز کو تسلیم نہ کیا جائے؟ دوستو اور عزیز و خدا کے لئے غور کرو کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بنی اسرائیل کی قوم کا ایک گذشتہ نبی جس کی نبوّت آپؐ کے فیضان کی ممنونِ احسان نہیں اپنی سابقہ نبوّت کے مقام پر فائز رہ کر مسلمانوں کا امام بن سکتا ہے اور نبی کہلا سکتا ہے تو سیّدِ وُلدِ آدم فخرِ انبیاء صلی

اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام اور شاگرد اور آپؐ کے فیض سے فیض پانے والا اور آپؐ کے نُور سے نُور حاصل کرنے والا شخص کیوں اِس منصب کو حاصل نہیں کر سکتا؟ افسوس صد افسوس کہ ہمارے بھٹکے ہوئے بھائیوں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر بالکل نہیں پہچانی۔ اور آپ کو حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کا ممنونِ احسان بنانا پسند کیا مگر اس بات کو گوارا نہ کیا کہ آپؐ کے غلاموں اور شاگردوں میں سے کوئی شخص آپؐ کے فیض کی برکت سے اور آپؐ کے نُور سے نُور پا کر نبوّت کے مقام کو پہنچے۔ کسی نے سچ کہا ہے:-

من از بیگا نگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

حضرت امام شعرانی اور امام علی بن محمد سلطان القاری کے حوالے

حضرت امام شعرانی (وفات ۹۷۶ھ ہجری) اور حضرت امام علی بن محمد سلطان القاری (وفات ۱۰۱۴ھ ہجری) کے حوالے اُوپر گذر چکے ہیں۔ اس لئے اُنہیں اِس جگہ دُہرا کر اِس مضمون کو بلاوجہ طول دینے کی ضرورت نہیں۔ اگر ناظرین چاہیں تو حدیث **لا نبیّ بعدی** اور حدیث **لو عاش ابراھیم لکان صدّیقاً نبیّا** کی بحث دوبارہ ملاحظہ فرما کر تسلّی کر سکتے ہیں **وما علینا الاّ البلاغ**۔

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

اسلام کے وسطی زمانہ کے حوالے پیش کرنے کے بعد اب ہم اسلام کے زمانۂ حال کے ابتدائی حصہ میں داخل ہوتے ہیں جو گویا گیارہویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ اس صدی کی سب سے بڑی شخصیت حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی مجدّدِ الف ثانی علیہ الرحمۃ کا وجودِ باجود ہے جن کا مقام کثیر التعداد مسلمانوں نے ان تمام مجدّدین میں جن کا ظہور مسیح موعود سے پہلے مقدّر تھا، سب سے بالا مانا ہے۔ بہر حال حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۰۳۴ھ ہجری) فرماتے ہیں:-

”حصولِ کمالات نبوّت مر تابعاں رابطریقِ تبعیت و وراثت

> بند از بعثت خاتم الرسل علیہ وعلی جمیع الانبیاء الصلوٰۃ و التحیات منافی خاتمیت اُو نیست فلا تکن من الممترین۔"
>
> (مکتوباتِ احمدیہ جلد ۱ مکتوب ۲۷۱)
>
> "یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے لئے آپ کی پیروی میں اور آپؐ کے رُوحانی ورثہ کے طور پر نبوّت کے کمالات کا حاصل کرنا آپؐ کی ختم نبوّت کے خلاف نہیں ہے۔ پس تم اِس معاملہ میں ہرگز شک کرنے والے لوگوں میں سے مت بنو"۔

کیا یہ نظریہّ بعینہٖ وہی نظریہّ نہیں ہے جو جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے؟ کیا ہم اِس کے سوا کچھ اَور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بیشک شریعت والی نبوّت اور براہِ راست حاصل ہونے والی مستقل نبوّت کا دروازہ تو ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے مگر جو نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی اور آپؐ کی پیروی کی برکت سے روحانی ورثہ کے طور پر ملتی ہے اس کا دروازہ ہرگز بند نہیں؟ بلکہ یہ وہ نبوّت ہے جس سے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع شان اور بلند مقام کا ثبوت ملتا ہے کہ آپؐ کے خادم اور شاگرد بھی نبوّت کا درجہ پا سکتے ہیں۔ پس حضرت مجدّد الف ثانی کی طرح ہم بھی ہر مسلمان سے یہی کہتے ہیں کہ **ھٰذا ھو الحقّ فلا تکن من الممترین۔**

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی کا ارشاد

اِس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی (وفات ۱۱۷۶ھ) کا زمانہ آتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بارھویں صدی ہجری کے مجدد مانے گئے ہیں اور پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کا بچہ بچہ ان کے وسیع علم وفضل کا معترف اور مدح خوان ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

> خُتِم بِہِ النبیّون اَی لا یوجد بعدہٗ من یامرہُ اللّٰہ سبحانہٗ بالتشریع علی النّاس۔ (تفہیمات الٰہیہ تفہیم نمبر ۵۳)

> ”یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت ختم ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی ایسا ربّانی مصلح نہیں آسکتا جسے خدا تعالیٰ کوئی نئی شریعت دے کر مبعوث کرے“۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حوالہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ حضرت شاہ صاحب موصوف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس چیز کا دروازہ بند قرار دیتے ہیں وہ صرف نئی شریعت کا نزول ہے اور یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ اور ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ ہر نبی کے لئے شریعت کا لانا ضروری نہیں ہوتا۔ کیونکہ جیسا کہ حضرت محی الدین ابنِ عربیؒ نے فرمایا ہے شریعت جُزوِ نبوّت ہے نہ کہ عینِ نبوّت اور قرآن مجید اور تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ دنیا میں بہت سے نبی ایسے گذرے ہیں جو کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے بلکہ صرف سابقہ شریعت کی خدمت کے لئے مبعوث کئے جاتے تھے۔ پس حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا یہ واضح حوالہ ہر اُس مسلمان کے لئے جو اُنہیں عزّت کی نظر سے دیکھتا ہے ایک فیصلہ کُن حوالہ ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ کا مقام یہ ہے کہ وہ خود تو الگ رہے اُن کا سارا خاندان اپنے علم و فضل کی وجہ سے برِّ اعظم پاک و ہند میں انتہائی عزّت و اکرام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ پس چاہو تو اِس شہادت کو قبول کرو۔

حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی شہادت

اب ہم اُس زمانہ میں داخل ہوتے ہیں جو گویا ہمارا اپنا زمانہ ہے۔ حتیٰ کہ اِس زمانہ کے بزرگوں کو دیکھنے والے کئی لوگ ابھی تک زندہ ہونگے۔ اور چونکہ جو شہادت مَیں اس وقت پیش کرنے لگا ہوں وہ باوجود موجودہ زمانہ سے تعلق رکھنے کے حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہؑ کے دعویٰ سے چند سال پہلے کی ہے اس لئے اہلِ بصیرت کے نزدیک اِس شہادت کو خاص وزن حاصل ہونا چاہئے۔ یہ شہادت مدرسۃ العلوم دیوبند کے نامور بانی حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی (وفات ۱۸۸۹ عیسوی) کی ہے۔ مولوی صاحب موصوف فرماتے ہیں:-

> ”عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپؐ کا زمانہ انبیاءِ سابق کے زمانہ کے بعد ہے۔ اور آپؐ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہلِ فہم

پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تأخر زمانی میں بالذات کوئی فضیلت نہیں۔ پھر مقامِ مدح میں ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اِس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ ہاں اگر اِس وصف کو اوصافِ مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقامِ مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیّت باعتبارِ تاخّر زمانی صحیح ہوسکتی ہے۔ مگر مَیں جانتا ہوں کہ اہلِ اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی"۔ (تحذیر الناس مطبوعہ سہارنپور صفحہ نمبر ۳)

پھر اسی کتاب میں دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:-

"اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیّت محمدیؐ میں کچھ فرق نہ آئے گا"۔ (تحذیر الناس صفحہ ۲۸)

کیا علماءِ دیوبند اپنے محترم بانی کے اس حوالے پر غور فرمائیں گے؟ کیا وہ ختمِ نبوّت کی تشریح میں اُسی وسعتِ قلب اور وسعتِ نظر سے کام لیں گے جس سے اُن کے قابلِ احترام بزرگ نے کام لیا ہے؟ اور اگر اس جگہ کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ اِس حوالہ میں تو حضرت مولانا نانوتوی نے "اگر" اور "بالفرض" کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو شک پر دلالت کرتے ہیں۔ یا یہ کہ کسی دوسری جگہ مولانا موصوف نے اِس قسم کا خیال بھی ظاہر فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اُور نبی نہیں تو اِس شبہ کے جواب میں یہ خاکسار وہی بات عرض کریگا جو اِس رسالہ میں کئی جگہ عرض کر چکا ہے کہ اے ہمارے بھولے بھالے بھائیو! خدا تمہیں سمجھ عطا کرے ہم نے یہ حوالہ اِس غرض سے ہرگز پیش نہیں کیا کہ مولانا موصوف کے نزدیک کوئی "نبی آنے والا ہے"۔ بلکہ صرف اِس غرض سے پیش کیا ہے کہ اُن کے نزدیک آیت خاتم النبیین اور حدیث لانبیّ بعدی کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد "نبی آسکتا ہے"۔ پس یہاں کسی کے "آنے" کا سوال نہیں بلکہ "آسکنے" کا سوال ہے۔ اور اس سوال کے متعلق یہ حوالہ بالکل واضح اور صاف ہے۔ کاش ہمارے مہربان مخالف جلد بازی کی بجائے صبر و سکون کے ساتھ غور کرنے کی عادت پیدا کریں۔

اب مَیں خدا کے فضل سے وہ حوالے ختم کر چکا ہوں (اور یہ حوالے تعداد میں دس عدد ہیں) جو مَیں ختمِ نبوّت کی بحث کے تعلق میں مثال کے طور پر اس جگہ پیش کرنا چاہتا تھا۔ اور جیسا کہ

ہمارے معزّز ناظرین نے دیکھا ہے۔ مَیں نے یہ حوالے اسلامی تاریخ کے ہر زمانہ سے پیش کئے ہیں اور ابتدائی اور وسطی اور آخری زمانہ میں سے کوئی زمانہ بھی ایسا نہیں چھوڑا جس میں سے کسی نہ کسی بزرگ کی شہادت نہ پیش کی ہو۔ سب سے پہلا حوالہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ہے جو بالکل ابتدائی زمانہ سے تعلق رکھتا ہے جو گویا صحابہؓ کا زمانہ تھا اور سب سے آخری حوالہ اُس زمانہ کا ہے جس میں ہماری جماعت کے بانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا سے حکم پا کر سلسلہ احمدیہ کی بنیاد رکھی۔ مَیں یہ دعویٰ ہرگز نہیں کرتا کہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ کے بعد سب مسلمانوں کا یہی عقیدہ رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غیر تشریعی نبوّت کا دروازہ کھلا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر اختلاف کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا۔ مگر مَیں یہ ضرور کہتا ہوں اور مَیں نے مضبوط حوالوں کے ذریعہ اس بات کو روزِ روشن کی طرح ثابت کر دیا ہے کہ اسلامی تاریخ کے ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی مسلمان بزرگ اِس عقیدہ کا برملا اظہار کرتا رہا ہے کہ ہمارے رسولِ پاکؐ کی ختمِ نبوّت کسی غیر تشریعی نبی کی بعثت کے رستہ میں روک نہیں ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ حضرت خاتم النبیین سیّدِ ولدِ آدمؐ (فداہ نفسی) کے بعد انوارِ نبوّت کا رستہ پہلے سے بھی زیادہ وسیع ہو کر کھل گیا ہے۔ وھوالمراد۔

جمہور مسلمانوں کی متفقہ شہادت

یہاں تک تو مَیں نے صرف خاص خاص بزرگوں کے اقوال پیش کئے ہیں لیکن اب مَیں خدا کے فضل سے بتاتا ہوں کہ ایک لحاظ سے مسلمانوں کا ہر فرد اور اُن کا بچہ بچہ اِس عقیدہ پر ایمان لاتا رہا ہے کہ ختمِ نبوّت کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کم از کم ایک غیر تشریعی نبی مسلمانوں میں ضرور آنے والا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے اسلام میں یہ پیشگوئی پائی جاتی ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰؑ نازل ہوں گے۔ اور اُن کے ذریعہ اسلام کو غیر معمولی طاقت حاصل ہوگی اور دینِ محمدیؐ تمام دوسرے دینوں پر غالب آ جائے گا۔ اور دجّال قتل کیا جائے گا۔ اور صلیب توڑی جائے گی۔ اور کافر مغلوب و مقہور ہو جائیں گے۔ اور اندرونی اختلافات کا سچا سچا فیصلہ کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ یہ پیشگوئی اجمالاً قرآن مجید میں (سورۃ

نور آیت ۵٦) اور تفصیلاً حدیث کی ہر کتاب میں درج ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس پیشگوئی پر اِس شدّ ومدّ کے ساتھ زور دیا ہے اور اسے اس کثرت اور تواتر کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ اسلامی پیشگوئیوں میں اسے گویا نمبر 1 حاصل ہو چکا ہے۔ اور مسلمانوں کا بچّہ بچّہ اس سے واقف ہے اور اس پیشگوئی کو اتنی شہرت حاصل ہے کہ اس سے زیادہ شہرت خیال میں نہیں آسکتی اور خود ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس پیشگوئی پر اتنا یقین تھا اور آپؐ اس پر اتنا زور دینا چاہتے تھے کہ آپؐ نے اسے خدا کی قسم کھا کر بیان کیا ہے۔ چنانچہ حدیث کی صحیح ترین کتاب بخاری میں آپؐ فرماتے ہیں:-

والّذی نفسی بیدہٖ لیوشکنّ ان ینزل فیکم ابن مریم حکمًا عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیة۔

(صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب نزول عیسیٰ بن مریم)

''یعنی مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں ضرور ضرور مسیح ابن مریم نازل ہوگا۔ وہ تمام دینی معاملات میں حَکَم بن کر فیصلہ کریگا۔ اور اس کا فیصلہ حق وانصاف کا فیصلہ ہوگا۔ وہ صلیبی فتنہ کو پاش پاش کردیگا۔ اور خنزیری پلیدیوں کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔ اور وہ جزیہ کو بھی موقوف کردیگا''۔

حضرت عیسیٰؑ اپنی نبوّت کے ساتھ نازل ہونگے

یہ وہ عظیم الشان پیشگوئی ہے جو نزول مسیح کے متعلق اسلام میں پائی جاتی ہے۔ اور گو ماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس پیشگوئی میں ایک مثیلِ مسیحؑ کے نزول کی پیشگوئی ہے نہ کہ اصل سیح ابن مریم کی۔ لیکن موجود الوقت مسلمانوں کے تمام دوسرے فرقے یقین رکھتے ہیں کہ وہی مسیح صری دوبارہ دنیا میں نازل ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سو سال پہلے موسوی سلسلہ ں گذر چکا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ یہ مسیح اپنی نبوّت کے ساتھ ئے گا۔ اور ایسا نہیں ہوگا کہ وہ نبوّت کے مقام سے معزول کر کے بھیجا جائے۔ چنانچہ امام جلال

الدین سیوطی فرماتے ہیں:-

من قال بسلب نبوّتهٖ كفر حقًّا فانّهٗ نبيٌّ لا يذهب عنه وصف النّبوّة۔

(بحوالہ حجج الکرامہ صفحہ ۴۳۱)

> ”یعنی جس شخص نے حضرت عیسیٰ کے متعلق یہ کہا کہ وہ آخری زمانہ میں نبوّت سے معزول ہو کر آئیں گے وہ پکا کافر ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ بلاریب خدا کے ایک نبی تھے اور یہ نبوّت کا وصف اُن سے کسی طرح جُدا نہیں ہو سکتا۔“

پس جب تک کہ تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ آخری زمانہ میں مسیحؑ کا نزول مقدر ہے اور پھر اس بات پر بھی سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ مسیح نبوّت کے مقام پر فائز ہو کر آئے گا تو اس کا یہ طبعی اور منطقی نتیجہ بھی لازماً قبول کرنا ہوگا کہ تمام مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبی کے وجود کو تسلیم کرتے آئے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک رنگ میں نبوّت کا دروازہ کھلا ہونے پر صرف خواصِ اُمّت ہی کی شہادت نہیں بلکہ مسلمانوں کے بچّہ بچّہ کی بھی شہادت ہے۔ عزیزو اور دوستوں سوچو اور غور کرو کہ ایک طرف تو سب مسلمان اِس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ میں مسیح کے نزول کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ اور دوسری طرف وہ اس بات پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ آنے والا مسیح نبوّت کے مقام سے معزول ہو کر نہیں آئے گا بلکہ نبی ہونے کی حیثیت میں نازل ہوگا تو اِن دونوں باتوں کا نتیجہ اس کے سوا کیا نکلتا ہے کہ سب مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبی کے قائل ہیں؟ وھوالمُراد۔

اگر یہ کہا جائے کہ دوسرے مسلمان بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبی کے قائل ہیں۔ مگر یہ نبی وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سو سال پہلے نبوّت کے منصب پر فائز ہوا تھا۔ اِس لئے اُس کا آنا ختم نبوّت میں کوئی رخنہ نہیں پیدا کرتا۔ لیکن کسی بعد میں پیدا ہونے والے شخص کا نبی بننا ضرور رخنہ پیدا کرتا ہے۔ تو مَیں کہوں گا کہ اَے ہمارے بھٹکے ہوئے بھائیو خدا آپ کی آنکھیں کھولے، یہاں پہلے پیدا ہونے یا بعد میں پیدا ہونے کا سوال نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے طور پر ظاہر ہونے اور آپؐ کے بعد نبوّت کے فرائض ادا کرنے کا سوال

ہے۔ پس خواہ مسیح ناصری پہلے ہی پیدا ہوا لیکن بہر حال آپ لوگوں کے عقیدہ کے مطابق وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا میں ظاہر ہو کر نبوّت کے فرائض سرانجام دے گا۔ لہٰذا اگر نبوّت کا دروازہ من کلّ الوجوہ بند ہے تو اُس کا آنا بہر صورت ختمِ نبوّت کے خلاف ہے۔ کاش تم سمجھو! بلکہ حق یہ ہے کہ ایسے نبی کا آنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے نہیں ہے اور نہ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی اور پیروی میں اور آپؐ کی فیض رسانی سے نبوّت کا منصب پایا ہے اسلام کے تمام نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیتا ہے۔ اور نہ تو ختم نبوّت باقی رہتی ہے۔ اور نہ ہی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر الانبیاء ہونا درست ٹھہرتا ہے۔ مگر اس کے مقابل پر آپؐ کے شاگردوں اور روحانی فرزندوں میں سے کسی شخص کا آپؐ کے فیض کی برکت سے اور آپؐ کے نُور سے نُور پا کر نبوّت کے مقام پر فائز ہونا ہرگز کوئی رخنہ پیدا نہیں کرتا بلکہ اس سے آپؐ کی ارفع شان کا ثبوت ملتا ہے کہ کس طرح آپؐ کے روحانی سورج نے آپؐ کے بعد ایک رُوحانی چاند پیدا کر کے دنیا کی تاریکی کے زمانہ میں روشنی کا سامان مہیا کر دیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

عقلی دلائل کی رُو سے مسئلہ ختمِ نبوّت کا حل

ہمارا عقیدہ خدائی سنّت کے عین مطابق ہے

بزرگانِ سلف اور جمہور مسلمانوں کی شہادت پیش کرنے کے بعد اَب مَیں اپنے مضمون کے آخری حصّہ کی طرف آتا ہوں جو عقلی دلائل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ جیسا کہ مَیں نے شروع میں بتایا تھا عقلِ انسانی اپنی امکانی لغزشوں کے باوجود جو بعض اوقات خارجی ظلمات کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں، ایک اعلیٰ درجہ کا فطری نُور ہے جو انسان کو کھوٹے کھرے کی پہچان کے لئے خدا کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔ اور دنیا کے بیشتر مسائل اسی کی روشنی میں حل ہوتے ہیں۔ سو اس تعلق میں سب سے پہلی بات تو یہ جاننی چاہئے کہ جیسا کہ تاریخِ عالم کے مطالعہ سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کی قدیم سے یہ سنّت ہے کہ جب کبھی بھی دنیا میں فاسد خیالات اور فاسد اعمال کا دَور دَورہ شروع ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اپنے

کسی پاک بندہ کو لوگوں کی اصلاح کے لئے مبعوث فرماتا ہے۔ اور اصلاح کا طریق حالات پر مبنی ہوتا ہے۔ یعنی اگر کسی وقت نئی شریعت کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ نئی شریعت نازل فرما کر اصلاح کا کام کرواتا ہے اور اگر نئی شریعت کی ضرورت نہیں ہوتی تو بغیر شریعت کے نبی مبعوث کر کے اِصلاح کروائی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ جب سے کہ دنیا بنی ہے برابر جاری چلا آیا ہے۔ اور کبھی بند نہیں ہوا چنانچہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کا وجود جن میں سے صرف تین سو پندرہ صاحبِ شریعت رسول تھے۔ (مسند احمد بحوالہ مشکوٰۃ باب بدء الخلق) اس ابدی صداقت پر ایک زبردست گواہ ہے۔ تو جب قدیم سے خدا تعالیٰ کی یہی سنّت چلی آئی ہے کہ وہ ہر فسادِ عظیم کے زمانہ میں اپنی طرف سے کسی شخص کو نبوّت کے مقام پر فائز کر کے اصلاحِ خلق کے لئے مبعوث فرماتا ہے تو اِس زمانہ میں اِس ازلی سنّت کو کیوں ختم سمجھا جائے؟

اس کے جواب میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بیشک پہلے ایسا ہی تھا مگر خاتم النبیین کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ کیونکہ اوّل تو ہم آیت خاتم النّبیین کی تشریح میں ثابت کر چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے لفظ سے یہ مُراد ہرگز نہیں کہ اب نبوّت کا سلسلہ ہی بند ہے بلکہ مراد صرف یہ ہے جہاں پہلے یہ نہر مستقل اور علیحدہ صورت میں جاری تھی وہاں اب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک وجود کے ذریعہ سے اور اس کے اندر ہو کر جاری ہے۔ دوسرے جیسا کہ مَیں ابھی بیان کر چکا ہوں یہاں قرآن یا حدیث کے دلائل کی بحث نہیں جو اُوپر گذر چکی ہے بلکہ صرف عقلی دلائل کی بحث ہے اور عقل کے میدان میں یہ دلیل بالکل صاف اور واضح ہے کہ اصلاحِ خلق کا جو طریق اور بعثتِ انبیاء کی جو سنّت ازل سے جاری چلی آئی ہے اُسے اب آ کر کیوں بند سمجھا جائے؟ اور وہ کونسی عقلی دلیل ہے جس کی وجہ سے اس قدیم نہر کے آگے بند لگا کر اسے ختم کرنا ضروری ہو گیا ہے؟ دوستو اور عزیزو! سوچو اور سمجھو کہ جب سے کہ دنیا بنی ہے خدا تعالیٰ نے انبیاء کی بعثت کے ذریعہ اصلاح خلق کا ایک معیّن طریق قائم کر رکھا ہے اور لوگوں کے قلوب کی آبپاشی کے لئے ایک ازلی نہر جاری کی ہوئی ہے تو اَب اِس زمانہ میں آ کر اس قدیم سنّت کو کیوں بند قرار دیا جائے؟ یہ ایک ایسا پختہ اور یقینی استدلال ہے جسے ہر غیر متعصب انسان کی عقل اور اس کا نورِ ضمیر قبول کرنے پر مجبور ہے۔ اور اس کے خلاف کوئی عقلی دلیل خیال میں نہیں آ سکتی۔

بارِ ثبوت ہمارے مخالفین کے ذمّہ ہے

پھر اس دلیل کی ایک شاخ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اِس زمانہ میں خدا کی یہ ازلی سنّت بند ہو گئی ہے کہ وہ ہر بڑے فساد کے زمانہ میں کسی نبی کو مبعوث کر کے اِصلاح کروایا کرتا ہے تو اس کا بارِ ثبوت اس شخص کے ذمّہ ہے جو ایسا دعویٰ کرتا ہے۔ ہمارا دعویٰ بہر حال کسی دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ وہ خدائی سنّت اور ایک جاری شدہ طریق کے عین مطابق ہے۔ دلیل لانا اُن لوگوں کے ذمہ ہے جو خدائی سنّت کے خلاف ایک نئی بات کے مدّعی بنتے ہیں پس اگر ہمارے مخالفین اپنے عقیدہ کی تائید میں کوئی عقلی دلیل پیش نہ کر سکیں جیسا کہ وہ خدا کے فضل سے ہر گز نہیں کر سکتے تو پھر اِس معاملہ میں صحیح منطقی پوزیشن یہی ہے کہ اِس صورت میں ہماری طرف سے قطعاً کسی دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ جب بارِ ثبوت ہمارے مخالفین کے ذمّہ ہے تو اُن کی طرف سے کسی عقلی دلیل کا پیش نہ کیا جانا ساری بحث کو ختم کر دیتا ہے۔

موجودہ زمانہ کا فساد عظیم ایک نبی کا متقاضی ہے

عقل کے میدان میں یہ دلیل بھی بہت بھاری وزن رکھتی ہے کہ موجودہ زمانہ کے حالات جب کہ مذہبی دنیا میں عقائد اور اعمال کا غیر معمولی فساد رُونما ہے اور مادّیت اور لادینی چاروں طرف جال پھیلائے ہوئے ہے اور دجّالی فتنے جن کے متعلق ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق تمام نبی ڈراتے آئے ہیں ساری قوموں اور ساری ملّتوں کو گھن کی طرح کھاتے جا رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب حالات ایک نبی کی بعثت کے متقاضی ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی اور فرزندی میں اور آپؐ کے روحانی سُورج سے روشنی پا کر دنیا کو منوّر کرے۔ بیشک گذشتہ صدیوں میں بھی تاریکی کا دَور دَور رہا ہے مگر جو غیر معمولی تاریکی اور ایمان اور اعمال کے میدان میں جو غیر معمولی فساد اس زمانہ میں آ کر رُونما ہوا ہے اس کی مثال کسی دوسرے زمانہ میں نہیں ملتی۔ پس اگر گذشتہ صدیوں میں عام مجدّدوں سے کام چل سکتا تھا تو موجودہ زمانہ میں ایک

ایسے عظیم الشان مجدّد کی ضرورت تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے نبوّت کے مقام کو پہنچ کر اور نبوّت کی طاقتوں سے آراستہ ہو کر دنیا میں اصلاح کا کام سرانجام دے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کے غیر معمولی ظلمات اور فسادات کے پیشِ نظر فرمایا تھا کہ بیشک ہر صدی کے سر پر عام مجدّد آتے رہیں گے مگر دجّالی فتنوں کے زمانہ میں وہ شخص مبعوث ہوگا کہ:-

لیس بینی و بینهٗ نبیٌّ (ابوداؤد)

''یعنی میرے اور اُس کے درمیان کوئی اَور نبی نہیں''۔

علّامہ اقبال اور مولوی مودودی صاحب کی شہادت

یہی وہ تاریک زمانہ ہے جس کے متعلق شاعرِ قوم علّامہ اقبال نے مسلمانوں کے مذہبی انحطاط کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ:-

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں
اُمّتی باعثِ رُسوائی پیغمبر ہیں
بُت شکن اُٹھ گئے باقی جو ہیں بُت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابُود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

(جوابِ شکوہ)

اِن اشعار میں علّامہ اقبال جوش کی حالت میں کچھ سخت الفاظ استعمال کر گئے ہیں۔ مگر اس کا خیال نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ بعض اوقات اصلاح کے خیال سے تلخ الفاظ استعمال کرنے پڑتے

ہیں۔ پس ہمارے ناظرین کو ان الفاظ کی سختی کی طرف نہیں بلکہ ان کی رُوح کی طرف دھیان رکھنا چاہئے۔ اور رُوح نیک نیّتی پر مبنی ہے۔ بہر حال ایسے ظلماتی زمانہ میں جس کا اثر نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ مذہب وملّت پر پڑ رہا ہے۔ لوگ خواہ گوشت پوست کی زبان سے بولیں یا نہ بولیں مگر زبانِ حال سے ضرور پکار رہے ہیں کہ اِس وقت خدا کی طرف سے کوئی عام مصلح نہیں بلکہ نبوّت کی طاقتوں والا مصلح درکار ہے۔ چنانچہ اَور تو اَور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تک بھی جو اِس وقت ہماری مخالفت میں پیش پیش ہیں فرماتے ہیں:۔

> ’’اکثر لوگ اقامتِ دین کی تحریک کے لئے کسی ایسے مردِ کامل کو ڈھونڈتے ہیں جو اُن میں سے ایک ایک شخص کے تصوّرِ کمال کا مجسّمہ ہو اور جس کے سارے پہلو قوی ہی قوی ہوں دوسرے الفاظ میں یہ لوگ دراصل نبی کے طالب ہیں۔ اگرچہ زبان سے ختمِ نبوّت کا اقرار کرتے ہیں۔ اور کوئی اجرائے نبوّت کا نام بھی لے دے تو اُس کی زبان گدّی سے کھینچنے کے لئے تیار ہو جائیں مگر اندر سے اُن کے دِل ایک نبی مانگتے ہیں اور نبی سے کم کسی پر راضی نہیں‘‘۔
>
> (ترجمان القرآن بابت دسمبر وجنوری ۴۲ء، ۴۳ء عیسوی صفحہ ۴۰۶)

زمین وآسمان کی زبردست شہادت

پس قطع نظر قرآنی ارشادات کے اور قطع نظر حدیث کی تصریحات کے اور قطع نظر بزرگانِ سلف کی شہادات کے خود زمانہ کی حالت اور لوگوں کے دل کی آواز اِس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ اِس زمانہ میں ایک نبی کی ضرورت ہے۔ حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہؑ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:۔

بشنوید اے طالباں کز غیب بکنند ایں ندا مصلحے باید کہ در ہر جا مفاسد زادہ اند
آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمیں ایں دو شاہد از پئے تصدیقِ من استادہ اند

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۱۱۴)

’’یعنی اے لوگو جو صداقت کی طلب رکھتے ہو کان دھر کر سنو کہ غیب سے یہ آواز آ رہی

ہے کہ اس وقت ایک بڑے ربّانی مصلح کی ضرورت ہے کیونکہ ہر جگہ دین و مذہب میں فساد ہی فساد برپا ہے۔ دیکھو آسمان نے اُوپر سے نشانات برسائے ہیں اور زمین نیچے سے پکار رہی ہے کہ یہ وقت ایک ربّانی مصلح کا وقت ہے۔ آسمان اور زمین کے یہ دو گواہ میری صداقت کے حق میں شہادت دینے کے لئے چوکس ہو کر کھڑے ہیں‘‘۔

پھر اپنے مخصوص دعویٰ مسیحیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اَور کا وقت
مَیں نہ آتا تو کوئی اَور ہی آیا ہوتا
(دُرِّثمین)

یعنی یہ زمانہ ایسا تھا کہ اِس زمانہ کی لادینی اور مادیّت اور دجّالی فتنوں اور اسلام کے خلاف حملوں کی وجہ سے کوئی عام مصلح کافی نہیں تھا بلکہ ایسے نائبِ رسولؐ کی ضرورت تھی جو مثیلِ مسیح بن کر خدمتِ دین کے لئے مبعوث کیا جاتا اور جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت مسیح ناصریؑ آئے تھے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے دین کی خدمت کے لئے ایک مسیح کی ضرورت تھی۔ سو جب خود زمانہ زبانِ حال سے ایک مسیح کو پکار رہا تھا تو یقیناً اگر اِس وقت مَیں نہ آتا تو کوئی دوسرا نائبِ رسولؐ مسیح مبعوث کیا جاتا۔

خلاصہ یہ کہ زمانہ کی ضرورت اور وقت کی شہادت ایک عظیم الشان مصلح کی متقاضی تھی جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نُور سے نور پا کر اور آپؐ کے فیض سے فیض حاصل کر کے دنیا کی اصلاح کرے اور اسی کا دوسرا نام ظِلّی اور اُمّتی نبی ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے رسولِ پاکؐ کا رُوحانی فرزند اور آپؐ کے شجرِ طیّبہ کی شاخ اور آپؐ ہی کا حصہ ہے۔ کاش ہمارے بھائی اِس نکتہ کو سمجھیں!

کون سا عقیدہ رسولِ پاکؐ کی شان کے زیادہ مطابق ہے؟

اِس کے بعد مَیں عقلی دلائل میں سے آخری دلیل کو لیتا ہوں جو اِس پہلو سے تعلق رکھتی ہے کہ عقلی دلائل کے لحاظ سے (کیونکہ اِس جگہ عقلی دلائل کی بحث ہے قرآن و حدیث کی بحث نہیں)

ختمِ نبوّت کے متعلق کون سا نظریہ درست اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع شان کے زیادہ مطابق ہے؟ آیا وہ نظریہ درست ہے جو جماعت احمدیہ پیش کرتی ہے یا کہ وہ نظریہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق ہے جو اِس زمانہ میں ہمارے مخالف مولوی صاحبان پیش کرتے ہیں؟ سو اِس کے متعلق ہمیں کسی لمبی چوڑی بحث میں جانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ دونو عقیدوں کو ایک دوسرے کے سامنے رکھ کر ایک یکجائی نظر ڈالنا کافی ہے۔ لہٰذا ذیل کے متقابل کالموں میں ہر دو فریق کے عقیدے درج کئے جاتے ہیں ناظرین خود اپنے دِل سے فتویٰ لیکر فیصلہ کریں کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ مگر ضروری ہے کہ خدا کو حاضر وناظر جان کر اِن متقابل کالموں پر نظر ڈالیں کہ یہ دین کا سوال ہے۔ جس میں انتہائی سنجیدگی سے کام لینے کی ضرورت ہے:-

اِس زمانہ کے دوسرے مسلمانوں کا عقیدہ	جماعت احمدیہ کا عقیدہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ آپؐ نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔ اور آپؐ کے بعد ہر قسم کی نبوّت کا دروازہ کُلّی طور پر بند ہو چکا ہے۔ اور آئندہ کوئی شخص کسی صورت میں نبوّت کا انعام نہیں پا سکتا۔ جو نبی آنے تھے وہ آپؐ سے پہلے آچکے اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ نہ آپؐ کی اُمّت میں اور نہ آپؐ کی اُمّت سے باہر۔ کیونکہ آپؐ کی بعثت سے نبوّت کی تمام نہریں ہمیشہ کے لئے بند ہو چکی ہیں۔ پس آئندہ آپؐ کے خادموں اور غلاموں میں سے بھی کوئی شخص نبی نہیں بن سکتا۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ آپؐ نبیوں کی مُہر ہیں اور آپؐ میں نبوّت کے کمالات انتہاء کو پہنچ چکے ہیں اس لئے آپؐ کے بعد براہِ راست نبوّت پانے کا دروازہ بند ہے کیونکہ اب ہر انعام کا حصول آپؐ کی غلامی کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ پس آپؐ کے مقامِ ختم نبوّت کی وجہ سے خدائی انعاموں کی نہر بند نہیں ہوئی بلکہ اس کا رستہ بدل کر آپؐ کے وجود میں گویا ایک نیا ہیڈ[1] ورک قائم کیا گیا ہے۔ اگر آئندہ کوئی شخص نبی بنے گا تو آپؐ کی غلامی میں اور آپؐ کے نور سے نور پا کر اور آپؐ کا ظلّ بن کر بنے گا۔ اس کے بغیر ہر گز نہیں۔

---

[1] Headworke

یہ وہ متقابل نظریّے ہیں جو اِس مسئلہ کے متعلق اِس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ ایک نظریہ موجودہ زمانہ کے غیر احمدی حضرات کا ہے جو ہر قسم کی نبوّت کا دروازہ بند قرار دیتے ہوئے خیال کرتے ہیں کہ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بنی نوعِ انسان کے لئے نبی اور صدّیق اور شہید اور صالح بننے کا رستہ کھلا تھا مگر آپؐ کی بعثت کے بعد صرف صدّیق اور شہید اور صالح بننے کا رستہ کھلا ہے اور نبوّت کا رستہ بند ہو چکا ہے۔ اور دوسرا نظریّہ احمدیوں کا ہے جو نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی تمام خدائی انعاموں کا دروازہ کھلا مانتے ہیں بلکہ یقین رکھتے ہیں کہ آپؐ کی ارفع شان اور اکمل مقام کے پیش نظر یہ دروازہ پہلے سے بھی زیادہ فراخ ہو کر کھل گیا ہے۔ اور خدائی اِنعاموں اور رُوحانی انوار کے چشمے پھوٹ پھوٹ کر بہنے لگ گئے ہیں۔ البتہ پہلے یہ انعام مستقل حیثیت میں جاری تھے اور اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے ساتھ وابستہ کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کیا خوب فرمایا ہے کہ:-

ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ سے ہی اَے خیرِ رُسلؐ
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

(آئینہ کمالاتِ اسلام)

عزیزو اور دوستو! خدا کے لئے اپنے تعصّبات سے آزاد ہو کر سوچو اور غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع شان کس بات میں ہے؟ آیا آپؐ کی شان اس میں ہے کہ آپؐ کی بعثت کے نتیجہ میں ہر قسم کی نبوّت کا دروازہ بند کر کے آپؐ کو ایک جاری شدہ نہر کے خشک کر دینے والا قرار دیا جائے یا کہ آپؐ کی شان اِس میں ہے کہ آپؐ کے مبارک وجود میں سے نبوّت کے آبشار پھوٹیں۔ اور جو نعمت پہلے بغیر کسی سابقہ نبی کی پیروی کے براہِ راست ملتی تھی وہ آئندہ آپؐ کی غلامی میں اور آپؐ کے فیض کی برکت سے اور آپؐ کی مُہر تصدیق کے ساتھ ملا کرے؟ ہاں ہاں خدا کے لئے گواہی دو۔ وہی خدا جس کے قبضۂ قدرت میں ہم سب کی جان ہے۔ اور جس کے سامنے ایک دن ہم سب نے مر کر اپنے اعمال کا جواب دینے کے لئے کھڑے ہونا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع شان کس بات میں ہے؟ آیا آپؐ کے بعد ہر قسم کی نبوّت کے بند ہونے

میں یا آپ کی اُمّت سے باہر بند ہونے میں۔ اور آپؐ کی غلامی کے جُوئے کے نیچے جاری رہنے میں؟ میں یقین رکھتا ہوں کہ ہر مسلمان جسے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی محبّت ہے اور جو درجہ کی نسبتی بلندی کے معیار کو جانتا اور پہچانتا ہے اس کا دل گواہی دے گا اور اس کا نورِ قلب پکارے گا کہ ہمارے آقا (فداہ نفسی) کی شان اِسی میں ہے کہ آپؐ کے خادموں اور غلاموں میں ظلّی نبوّت کا دروازہ کھلا ہو۔ دیکھو! حضرت موسیٰؑ کے بعد کتنے نبی آئے کہ گویا نبیوں کا ایک تانتا بندھ گیا۔ اور گواُن نبیوں نے موسیٰؑ کی پیروی کی برکت سے نبوّت نہیں پائی تھی۔ مگر بہر حال وہ موسیٰؑ کی ماتحتی میں رکھے گئے تھے۔ اور موسیٰؑ کی شریعت کے خادم بنے تھے۔ مگر تمہیں کیا کہا جائے اور تمہاری سمجھ پر کیا رونا رویا جائے کہ تمہیں اپنے آقا فخرِ رسل سیّدِ وُلدِ آدمؑ کے خادموں میں ایک شخص کا نبی بننا بھی نہیں بھایا اور اس کا وجود تمہاری آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے!

نبوّت سے ہماری مراد وہ نہیں جو دوسرے مسلمانوں کے ذہن میں ہے

بالآخر اِس بات کی پھر مکرّر وضاحت کی جاتی ہے کیونکہ بدقسمتی سے یہی وہ بات ہے جس کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کو ہمارے عقیدہ کے متعلق غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے کہ جن معنوں میں ہمارے سلسلہ کے مقدّس بانی حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے آپ کو نبی کہا ہے یا جن معنوں میں کہ ہم آپؑ کو نبی مانتے ہیں وہ ہرگز ہرگز وہ نہیں جو اِس زمانہ کے دوسرے مسلمانوں کے ذہن میں ہیں۔ بدقسمتی سے آج کل عام مسلمانوں میں یہ غلط خیال راسخ ہو چکا ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جو کوئی نئی شریعت لائے۔ یا سابقہ شریعت میں کوئی کمی یا بیشی کرے۔ یا سابقہ نبی کے جوئے سے آزاد ہو کر نبوّت پانے کا مدّعی ہو یا اپنا کوئی نیا کلمہ بنائے یا کسی نئے دین کی بنیاد رکھے وغیرہ وغیرہ۔ اور جب وہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کی تحریرات میں نبوّت کا دعویٰ پڑھتے ہیں یا کسی احمدی کے مُنہ سے یہ بات سنتے ہیں کہ اُن کے امام نے خدا کی طرف سے نبوّت کا منصب پایا تھا تو نبوّت کی اِس غلط تعریف کی وجہ سے جو اُن کے ذہنوں میں سمائی ہوئی ہے وہ جھٹ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ یہاں بھی

اِس قسم کی نبوّت کا دعویٰ ہے۔ اور یہ کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی نئے دین کی بنیاد رکھی ہے۔ اور کوئی نیا کلمہ ایجاد کیا ہے اور آپؑ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ حاشا وکلّا یہ خیال ہرگز درست نہیں۔ اور ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا ایسا کوئی دعویٰ نہیں اور نہ ہم آپؑ کو ایسا نبی مانتے ہیں۔ بلکہ جیسا کہ آپؑ نے اپنی کتب میں بار بار صراحت کی ہے آپؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور شاگردی میں اسلام کی خدمت کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور آپؑ ہرگز کوئی نیا دین نہیں لائے اور نہ آپؑ نے کوئی نیا کلمہ بنایا ہے بلکہ آپؑ کا اور آپؑ کے متّبعین کا وہی اور صرف وہی ابدی کلمہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی) کو دیا گیا یعنی:۔

لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

"اللہ کے سِوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں"۔

اَے زمین و آسمان اور اَے جِنّ و اِنس! گواہ رہو کہ ہم نے خدا کی قسم کھا کر یہ شہادت دی ہے اور انشاء اللہ ہم اِسی شہادت کے ساتھ اِس دنیا سے رخصت ہوں گے کہ ہمارا دین اسلام ہے اور ہماری کتاب قرآن ہے اور ہمارا رسول محمد صلعم ہے جو خاتم النبیین ہے اور سب نبیوں سے افضل اور سیّدِ اوّلین و آخرین ہے اور اسی کی ہم اُمّت ہیں۔ جو شخص اِس عقیدہ کے سوا ہماری طرف کوئی اَور عقیدہ منسوب کرتا ہے وہ ہم پر افترا باندھتا ہے اور ہم پر ایک ایسا ظلم کرتا ہے جس کے لئے یقیناً وہ خدا کے سامنے جوابدہ ہوگا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی نبوّت سے ہماری مُراد ہرگز ہرگز وہ نبوّت نہیں جو ہمارے مخالفوں کے ذہن میں ہے۔ بلکہ یہ ایک رُوحانی مقام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور شاگردی میں اور آپؐ کی ارفع شان کے اظہار کے لئے خدا کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔ اور اس سے مراد صرف کثرتِ مکالمہ مخاطبہ اور اظہار علی الغیب ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ اور جیسا کہ ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں حقیقۃً نبوّت سے مُراد یہی چیز ہوتی ہے نہ کہ کسی نئی شریعت کا نزول جو ایک بالکل زائد چیز ہے۔ کاش ہمارے دوست اِس حقیقت کو سمجھیں!

☆☆☆

بحث کا خلاصہ اور رسالہ کا خاتمہ

اب مَیں خدا کے فضل سے اور اسی کی توفیق کے ساتھ اس مضمون کے سارے حصّوں کی بحث ختم کر چکا ہوں۔ یعنی ابتدائی تمہید کے بعد سب سے پہلے قرآنی آیات کی روشنی میں مسئلہ ختمِ نبوّت کا حل پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد احادیث کی رُو سے اِس مسئلہ کی بحث کی گئی ہے۔ پھر اپنے عقیدہ کی تائید میں گذشتہ بزرگوں کے اقوال درج کئے گئے ہیں۔ اور بالآخر عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ اِس اُمّت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی اور غلامی میں ظلّی اور اُمّتی نبی آسکتا ہے بلکہ یہ کہ زمانہ زبانِ حال سے پُکار رہا ہے کہ اِس وقت ایک نبوّت کی طاقتوں والے مُصلح کی ضرورت ہے اور یہی وہ چار امکانی ذریعے ہیں جن سے کسی زیرِ بحث اسلامی مسئلہ پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ اور الحمدللہ کہ اِن چاروں کسوٹیوں نے بالاتفاق ہمارے حق میں ڈگری دی ہے۔ قرآنِ مجید بآوازِ بلند گواہی دے رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں جو خیرِ اُمّت کا درجہ رکھتی ہے گذشتہ اُمتوں سے بڑھ کر روحانی انعاموں کے دروازے کھلے ہیں کیونکہ جہاں گذشتہ اُمّتوں میں جو شخص نبوّت کا درجہ پاتا تھا وہ کسی سابقہ نبی کی پیروی سے نہیں پاتا تھا بلکہ براہِ راست پاتا تھا وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ ختمِ نبوّت کی برکت سے اُمّتِ محمدیہؐ میں یہ دروازہ آپؐ کی شاگردی اور غلامی میں کھولا گیا ہے۔ پھر حدیث کے میدان میں نہ صرف یہ کہ متعدد احادیث اِس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں بغیر شریعت کے نبی آسکتا ہے بلکہ جو حدیثیں متشابہ سمجھی جاتی ہیں اُن پر غور کرنے سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ صرف تشریعی نبوّت اور مستقل نبوّت کا دروازہ بند ہے۔ ظلّی نبوّت کا دروازہ ہرگز بند نہیں۔ اور ظلّی نبوّت سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں اور خوشہ چینوں میں سے کوئی شخص آپؐ کے فیض سے فیض پاکر اور آپؐ کے انوار کا عکس لیکر نبوّت کا مقام حاصل کرے۔ ایسی نبوّت جو فنافی الرسول کے طریق پر حاصل ہو حقیقۃً آپؐ ہی کی نبوّت کا حصّہ ہے نہ کہ کوئی غیر چیز۔ اِس لئے اِس قسم کی نبوّت کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی آخری نبی رہتے ہیں۔

احادیث کے بعد بزرگوں کے اقوال کا درجہ آتا ہے۔ اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے لیکر موجودہ زمانہ تک کوئی زمانہ بھی ایسا نہیں گذرا جس میں کسی نہ کسی اسلامی بزرگ نے کم وبیش وہی عقیدہ نہ ظاہر کیا ہو جو ہماری طرف سے پیش کیا جاتا ہے اِس مقدّس سلسلۂ شہادت کی ابتدائی کڑی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شروع ہوتی ہے۔ اور حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی نورّ اللہ مرقدہٗ جیسی عظیم الشان ہستیوں کے دَور میں سے گذرتے ہوئے بالآخر مدرسۃ العلوم دیوبند کے واجب الاحترام بانی مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی مرحوم کے وجود میں آکر ختم ہوتی ہے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جس کے معًا بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک غیر تشریعی اُمّتی نبی کے وجود کو تسلیم کرنے کی وجہ سے ہمیں کافر اور مُرتد اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جاتا ہے تو ہمارے مخالف اِن بزرگ ہستیوں کے متعلق کیا کہیں گے جو کم وبیش وہی عقائد ظاہر کرتے رہے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ بالآخر عقلی دلائل کا میدان ہے اور اس میدان میں بھی ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ ہمارا عقیدہ نہ صرف خدا تعالیٰ کی ازلی سنّت کے عین مطابق ہے بلکہ زمانہ کی شہادت اور فطرت کی پکار بھی ہمارے حق میں ہے اور یہ شہادت وہ ہے جس کی تائید میں علاّمہ اقبال اور مولوی ابوالاعلیٰ مودودی تک صریح الفاظ میں اعلان کر چکے ہیں۔

اِن چار عظیم الشان شہادتوں کے ہوتے ہوئے جن میں سے ہر شہادت صداقت کا ایک بلند مینار ہے ہم پر یہ الزام لگانا کہ گویا ہم نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوّت کے منکر اور آپؐ کی ہتک کرنے والے ہیں اور گویا ہم نے اسلام کو چھوڑ کر کوئی نیا دین نکالا اور کوئی نیا کلمہ ایجاد کیا ہے کتنا جھوٹ، کتنا ظلم اور کتنی سینہ زوری ہے!! ہمارے امام حضرت مسیح موعودؑ نے کس درد کے ساتھ فرمایا ہے کہ:-

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں	دِل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شِرک اور بِدعت سے ہم بیزار ہیں	خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے	جان و دِل اس راہ پر قربان ہے

دے چکے دِل اب تنِ خاکی رہا — ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فِدا
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب — کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب

یہ ہمارے سلسلہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کا کلام ہے جس کے لفظ لفظ اور حرف حرف پر ہمارا ایمان ہے۔ ولعنۃ اللہ علیٰ من کذب۔ دنیا اِس وقت مانے یا نہ مانے لیکن صداقت انشاء اللہ غالب آ کر رہے گی اور آج جن لوگوں کو نعوذ باللہ اسلام کا دشمن اور رسولِ پاک کی ہتک کرنے والا قرار دیا جاتا ہے وہی بالآخر سچّے ثابت ہوں گے اور اِسلام کی فتح کا نقارہ انہی کے نام پر بجے گا۔ دنیا اِس وقت اِس نازک مقام پر ہے جہاں سے آگے جانے والے رستے پھٹتے ہیں۔ اور خدا کی ازلی تقدیر نے مقدّر کر رکھا ہے کہ جماعت احمدیہ کا قدم اسی رستہ پر پڑتا چلا جائے گا جو کامیابی اور کامرانی کا رستہ ہے۔ اور وہ وقت دُور نہیں کہ دنیا پکارے گی اور ہمیں کافر کہنے والوں کی اولاد شہادت دے گی کہ ہمارے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم (فدا نفسی) کی شان کی رفعت اور اسلام کی سربلندی اُس عقیدہ میں نہیں ہے جو ہمارے مخالف کہتے ہیں بلکہ اِس عقیدہ میں ہے جو ہم کہتے ہیں۔ ختمِ نبوّت کا مسئلہ وہ آخری خندق ہے جو ہمارے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان حائل ہے اور جب ہم نے خدا کے فضل و رحم کے ساتھ اس خندق کو کامیابی سے سر کر لیا تو انشاء اللہ اگلا میدان صاف ہے۔ خدا کرے کہ وہ وقت قریب ہو۔ خدا کرے کہ ہمارے بھٹکے ہوئے بھائی اِس روشنی کو دیکھیں جو ہم نے دیکھی ہے اور اِس آبِ حیات کو چکھیں جسے ہم نے چکھا ہے اور حضرت خاتم النبیینؐ افضل الرسل سیّدِ وُلدِ آدم کی بلند شان اور آپؐ کے حقیقی مقام کو پہچان کر اِسلام کی خدمت میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ تا دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو۔ اور تا جس طرح دنیا کا خدا ایک ہے، خدا کی کتاب اور اُس کا رسول بھی ایک ہو اور باقی سب اُس کے جھنڈے کے نیچے۔ وذٰلک تقدیر العزیز الحکیم و آخر دعوٰنا اَن الحمد للہ ربّ العٰلمین۔

خاکسار

خادمِ ملّت مرزا بشیر احمد

ربوہ: بروز جمعہ بتاریخ ۲۷/مارچ ۱۹۵۳ء

شرائط بیعت سلسلہ عالیہ احمدیہ

اشتہار تکمیل تبلیغ ۱۲؍ جنوری ۱۸۸۹ء

تحریر فرمودہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

اوّل: بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

دوم: یہ کہ جھوٹ۔ زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا۔ اور نفسانی جوشوں کے وقت اُن کا مغلوب نہیں ہوگا۔ اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔

سوم: یہ کہ بلاناغہ پنج وقتہ نماز موافق حکمِ خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نمازِ تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ وِرد بنائے گا۔

چہارم: یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے، نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

پنجم: یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عُسر اور یُسر اور نعمت اور بلاء میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حالت راضی بقضا ہوگا۔ اور ہر یک ذلّت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا۔ اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

ششم: یہ کہ اتبّاعِ رسم اور متابعتِ ہواوہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کرے گا۔ اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنے ہر یک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

ہفتم: یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلّی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

ہشتم: یہ کہ دین اور دین کی عزّت اور ہمدردیٔ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزّت اور اپنی اولاد اور اپنے ہریک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

نہم: یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہان تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچاوے گا۔

دہم: یہ کہ اس عاجز سے عقدِ اخوّت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقتِ مرگ قائم رہے گا۔ اور اِس عقدِ اخوّت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔